اِمامَت

(جانشینی پیامبر اسلام)

علامہ سید سعید اختر رضوی (طاب ثراہ)

اِمَامَت

(جانشینی پیامبر اسلام)

مصنف :

علامہ سید سعید اختر رضوی (طاب ثراہ)

تحقیق :

سید محمد رضوی

مترجم :

سید شبیہ الحسن رضوی (طاب ثراہ)

ناشر :

المعارف فاونڈیشن

ٹورانٹو، کینیڈا

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کسی بھی صورت میں
ناشر و محقق کتاب کی اجازت بغیر ممنوع ہے۔

نام کتاب : اِمَامَت (جانشینی پیامبر اسلام)

مصنف : علامہ سید سعید اختر رضوی (طاب ثراہ)

تحقیق : سید محمد رضوی

مترجم : حجۃ الاسلام سید شبیہ الحسن رضوی (طاب ثراہ)

سن اشاعت : طبع اول : ۱۴۱۰ھ ، ۱۹۸۹ء
طبع دوم : ۱۴۴۲ھ ، ۲۰۲۰ء

ISBN : 978-0-920675-35-9

ناشر:

المعارف فاونڈیشن

ٹورانٹو، کینیڈا

www.al-m.ca | publications@al-m.ca | (+1-416) 624-7861

رہنمائے کتاب

مقدمہ طبع دوم از سید محمد رضوی ۱
اپنی بات از مصنف کتاب ۳

حصہ اول: چند بنیادی باتیں

(۱) امامت وخلافت ۶
(۲) اختلافات کا خلاصہ ۷
(۳) بنیادی اختلاف ۸
(۴) اسلامی قیادت کا سِسٹم ۱۱

حصہ دوم: شیعوں کا نقطۂ نظر

(۵) اِمامَت کی ضرورت اَور امام کے ضروری خصوصیات
(الف) امام کی ضرورت ۱۶
(ب) افضیلت ۱۶
(ج) عصمت ۱۷
(د) خدا کی طرف سے تعین ۱۷
(ھ) معجزہ ۲۱
(۶) عصمتِ ائمہ ۲۲
(۷) افضیلتِ علیؑ ۲۵
(۸) امیر المومنینؑ کا تعیّن ۲۶
(۹) ولایت علیؑ قرآن میں ۲۷
(۱۰) غدیر خم کا اعلانِ عام ۲۸
(الف) حدیث غدیر متواتر ہے ۳۲
(ب) اسناد حدیث غدیر ۳۷
(ج) لفظ مولا کے لغوی معنی ۳۹
(د) مولا کے معنی سیاق وسباق میں ۴۰

(۱۱) علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں ۴۱
(۱۲) چند احادیث ۴۲
(۱۳) اولو الامر کا معصوم ہونا ضروری ہے ۴۵
(۱۴) کیا اولی الامر سے مراد مسلمان حکمران ہیں؟ ۴۸
(۱۵) اولی الامر کے صحیح معنی ۵۰
(۱۶) بارہ خلیفہ یا امام ۵۲
(۱۷) بارہ اماموں کے متعلق کچھ تفصیلات ۵۳

تیسرا حصہ: اہلسنت کا نقطۂ نظر

(۱۸) سنی نظریۂ خلافت ۵۸
(۱۹) شرائطِ خلافت ۵۹
(۲۰) حضرت ابوبکر کی خلافت کیسے قائم ہوئی ۶۰
(۲۱) مندرجہ بالا واقعات کا ایک مختصر جائزہ ۶۳
(۲۲) حضرت عمر کا استخلاف ۶۶
(۲۳) شوریٰ ۶۹
(۲۴) فوجی طاقت ۷۲
(۲۵) ان اصول پر ایک طائرانہ نظر ۷۳
(۲۶) عملی پہلو ۷۴
(۲۷) ولید اور ہارون رشید ۷۶
(۲۸) عدلِ الٰہی اور عصمتِ انبیاء کے عقیدے پر خلافت کے اثرات ۷۷
(۲۹) کیا تشیع غیر جمہوری ہے؟ ۷۸
(۳۰) خاندانی حکومت؟ ۸۲

ماٰخذ کتاب ۷۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی محمد و آلہ الطاهرین

مقدمہ طبع دوم

والد علام حضرت علامہ سید سعید اختر رضوی (قدس سرہ) نے ایک مراسلاتی کورس کو مرتب کیا تھا جس کی ابتدائی کتابیں اصول دین سے متعلق تھیں۔ یہ کتابیں انگریزی زبان میں لکھی گئیں تھیں جس میں سے تین کا ترجمہ اردو میں بھی ہوا ہے۔

(۱) God of Islam توحید خداوندی پر ایک بہت ہی عمدہ اور علمی تحریر ہے جو پہلی بار ۱۹۷۱ء میں دار السلام میں شایع ہوئی اور اس کے بعد بیں سے زیادہ اشاعتیں تہران، بمبئی اور نیویورک میں ہوئی۔ اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ مصنف علام نے کلامی و فلسفی مفاہیم کو بہت ہی سہل و آسان انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ فرانسیسی، ہسپانوی، سویڈش اور سواحیلی زبانوں میں ہوا ہے۔

اور اس کا اردو ترجمہ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں برادر عزیز حجۃ الاسلام مولانا شیخ رحیمیان کے ساتھ کیا تھا۔ اَسّی کے دہائی میں وہ ترجمہ قسط وار مجلّہ "الواعظ" (لکھنؤ) میں شایع ہوا اور اُسی سے مرحوم چودہری سید محمد سبط نقوی نے ہندی زبان میں ترجمہ کیا اور "ہماری توحید" (لکھنؤ) میں شایع کرتے رہے۔ یہ اردو ترجمہ "اسلام میں الوہیت کا تصور" کے نام سے ۱۹۹۴ء میں کراچی میں شایع ہوا ہے۔

(۲) Day of Judgement موت، برزخ اور قیامت کے موضوع پر ہے جس کا اردو ترجمہ والد علام کے شاگرد مولانا سید حسن عباس صاحب فطرت مرحوم نے کیا تھا اور ۲۰۰۰ء میں "موت سے قیامت تک" کے نام سے لکھنؤ میں شایع ہوا ہے۔ اردو کے علاوہ، اس کتاب کا ترجمہ ہندی، گجراتی اور سواحیلی زبانوں میں بھی ہوا ہے۔

(۳) Imamate: the Viceregency of the Prophet اصول دین کے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا اردو ترجمہ "امامت: جانشینی پیامبر اسلام" کے عنوان سے آپ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ والد علام کے پاک قلم کا اثر تھا کہ بہت ہی جلد یہ کتاب انگریزی دنیا میں مشہور ہوگئی۔ ستّر کی دہائی میں موسسہ جہانی خدمات اسلامی (تہران) نے اسے عمدہ طباعت کے ساتھ شایع کیا اور پچاس

ہزار سے زیادہ نسخے تبلیغ کی غرض سے یورپ، امریکہ، آفریقہ وغیرہ میں تقسیم کئے۔ امریکہ میں بڑی تعداد میں نو مسلموں نے اس کتاب کے پڑھنے کے بعد مذہب تشیع کو اپنایا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ فرانسیسی، ہسپانوی، بوسنیائی، البانی، سواحیلی، انڈونیشی، بنگلہ، گجراتی اور امھرک (حبشی) زبانوں میں ہوا ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ ۱۹۹۹ء میں موسستہ الامام الحسین (ع) کی طرف سے بیروت میں شایع ہوا ہے۔

امامت کے موضوع پر اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اختصار کے باوجود اس میں تمام اہم نکات پر تشفی بخش گفتگو ہوئی ہے۔ اس کتاب کی جامعیت کو دیکھ کر میرے دوست حجۃ الاسلام مولانا سید شبیہ الحسن رضوی (رحمہ اللہ) نے اسے اردو میں ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب میرے والد علام اور والدہ محترمہ (رحمہما اللہ) لندن میں مقیم تھے اور کچھ عرصہ انکا قیام شبیہ الحسن بھائی مرحوم کے گھر ہی میں رہا۔ اسی دوران انہوں نے ترجمہ کا کام شروع کیا اور والد مرحوم ہی کی نگرانی میں یہ کام مکمل ہوا۔ خداوند کریم کی بارگاہ سے دعا ہے کہ مترجم مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے۔

اِس اردو ترجمہ کی پہلی اشاعت کو تیس سال گذرگئے اور کچھ احباب کی خواہش تھی کہ اس کتاب کو دوبارہ شایع کیا جائے۔ اس بار کتاب کی ٹائپنگ کی ذمہ داری میرے بھتیجے حجۃ الاسلام مولانا سید ضیغم عباس رضوی نجفی کے رفقاء نے پوری کی ہے۔ اب یہ کتاب نظر ثانی اور کچھ اضافات کے ساتھ منظر عام پہ آرہی ہے اور اسے ڈیجیٹل شکل میں نشر کرنے کی ذمہ داری میرے دوسرے بھتیجے ڈاکٹر سید جعفر زکی رضوی نے لی ہے۔ خداوند عالم ان سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

دعا ہے کہ خداوند عالم اس کاوش کو ولایت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی نصرت کا درجہ عطا فرمائے اور ولی مطلق حجت ابن الحسن علیہ السلام کے قلب کو ہم سے راضی و خوشنود رکھے۔

وما توفیقی الا باللہ العلي العظیم

سید محمد رضوی (ٹورانٹو، کینیڈا)

محرم ۱۴۴۲ھ ، ستمبر ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے ۱۹۷۱ء میں "بلال مسلم مشن" دارالسلام تنزانیہ کے اسلامی مراسلاتی کورس کے لئے انگریزی میں لکھی گئی تھی۔ اس موضوع پر لکھنے کے لئے کسی شیعہ کے لئے یہ مسئلہ نہیں ہے کہ کیا لکھا جائے بلکہ بات یہ ہے کہ اختصار کے پیش نظر کن کن باتوں کو حذف کیا جائے۔ اسی مقصد کے تحت انتہائی ضروری موضوعات کو نہایت اختصار کے ساتھ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

۱۹۷۴ء میں تہران کے اہم ادارے "مؤسسہ جہانی خدمات اسلامی" (WOFIS) نے جو اس وقت "A Group of Muslim Brothers" کے نام سے موسوم تھا، ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر عالمی پیمانے پر شائع کیا۔

چونکہ کتاب مراسلاتی کورس کے شرکاء کے لئے لکھی گئی تھی اس لئے اس میں حوالے ذکر نہیں کئے گئے تھے۔ لیکن جب عالمی پیمانے پر اشاعت کا پروگرام بنا تو اس وقت حوالوں کی عدم موجودگی کھلنے لگی۔ اس کام کو پورا کرنے کی ذمہ داری نور چشم سید محمد رضوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور خدا کا شکر ہے کہ نہایت حسن وخوبی سے اس کو انجام دیا۔ حوالوں کے ساتھ نور چشم سلمہ نے ان مضامین کا بھی اضافہ کر دیا جو میں نے اسی موضوع پر لکھے تھے اور مختلف جرائد میں شائع ہوئے تھے۔

تاریخی واقعات اور سنی عقائد کے متعلق تمام حوالے صد در صد اہلسنت کی کتابوں سے لئے گئے ہیں، البتہ کہیں کہیں تائید کے لئے شیعہ حوالے بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

واقعہ غدیر خم اور حدیث "من کنت مولاہ" کی تشریح اور وضاحت کے لئے جو "الغدیر" کے حوالے دیئے گئے ہیں، اس سے شیعہ حوالے مقصود نہیں ہیں بلکہ اہلسنت کے ان کثیر التعداد حوالوں کی طرف اشارہ ہے جسے الغدیر کے گرانقدر اور بلند پایہ مؤلف محقق بزرگ حضرت علامہ امینی طاب ثراہ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

کتاب کا اردو ترجمہ عزیزم حجۃ الاسلام سید شبیہ الحسن رضوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے انجام دیا ہے اور میری اجازت سے اس عظیم خطبہ کے چند اقتباسات بھی شامل کر دئے جنہیں آنحضرت ﷺ نے

غدیر خم کے موقع پر ایک لاکھ کے عظیم الشان مجمع میں ارشاد فرمایا تھا جسے الاحتجاج طبرسی سے تفسیر صافی میں درج کیا گیا ہے اور جس کا اردو ترجمہ مع متن کے مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ میں شامل کیا ہے۔ واقعہ غدیر کے تعلق سے یہی ایک شیعہ حوالہ ہے، بقیہ سارے حوالے اہلسنت کی معتبر کتابوں سے درج کئے گئے ہیں۔

اس سال ۱۴۱۰ھ ذوالحجۃ الحرام میں واقعہ غدیر کو ۱۴۰۰ سال پورے ہوجائیں گے۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت اور امامت بلا فصل سے اپنے تمسک کو اور زیادہ مستحکم کرتے ہوئے یہ کتاب حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید محمد موسوی دام ظلہ کے حکم سے "تبلیغات ایمانی" نجفی ہاؤس بمبئی کی جانب سے اردوداں طبقہ کے لئے پیش کی جارہی ہے۔

خدا ہم سب کو اہلبیت اطہارؑ کی ولایت وامامت سے ہمیشہ متمسک رہنے کی توفیقات عنایت فرمائے۔ اور ولایت وامامت کے آخری تاجدار حضرت حجۃ ابن الحسن العسکری امام مہدی علیہ السلام کے ظہور میں تعجیل فرمائے تاکہ ان کی خدمت میں عید غدیر کی مبارکباد پیش کرسکیں۔ آمین

سید سعید اختر رضوی
۲۲ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ بمبئی۔

حصہ اول

چند بنیادی باتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) امامت وخلافت

"امامت" یعنی قیادت، رہبری۔ "الامام" یعنی قائد یا رہبر۔ اسلامی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے: "الامامة: رئاسة عامة فی امور الدینا و الدین لشخص من الاشخاص نیابة عن النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)."[۱]
یعنی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نیابت میں دین ودنیا کی ریاست عامہ کو "امامت" کہتے ہیں۔

"امام" کے معنی ہیں کہ "وہ مرد جو نبی کی نیابت میں امت مسلمہ پر دین ودنیا کے امور میں ریاست عامہ پر فائز ہو۔"

"مرد" کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ عورت امام نہیں ہو سکتی۔ "ریاست عامہ" کی قید امام جماعت کو اس تعریف سے خارج کر دیتی ہے، اگر چہ وہ بھی "امام جماعت" کہا جاتا ہے لیکن ریاست عامہ کا حامل نہیں۔ "نیابۃ عن النبی" کی شرط نبی اور امام کے فرق کو واضح کرتی ہے کیونکہ امام کو یہ ریاست عامہ براہ راست نہیں بلکہ نبی کے نائب کی حیثیت سے حاصل ہوتی ہے۔

"خلافت" کے معنٰی جانشینی ہیں اور "خلیفة" جانشین اور نائب کو کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں "خلافت" و "خلیفہ" عملاً وہی مفہوم ظاہر کرتے ہیں جو "امامت" اور "امام" سے ظاہر ہوتا ہے۔

"الوصایة" یعنی وصیت پر عملدرآمد کی ذمہ داری اور اختیار، اور "وصی" یعنی وصیت پر عملدرآمد کا ذمہ دار۔ عام طور سے اس سیاق وسباق میں "وصایت" اور "وصی" کے وہی معنی مراد لئے جاتے ہیں جو "خلافت" اور "خلیفہ" کے ہیں۔

قارئین کرام کے لئے یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ بہت سے انبیاءِ سلف اپنے پیشرو انبیاء کے خلیفہ بھی تھے۔ یعنی: وہ نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ وہ انبیاء جو صاحبان شریعت تھے وہ صرف پیغمبرؑ تھے اور اپنے پیش رو نبیؑ کے خلیفہ نہیں تھے، اور کچھ ایسے افراد بھی گذرے ہیں جو انبیاء کے خلیفہ تھے مگر نبی نہیں تھے۔

"امامت و خلافت" کے مسئلے نے امت اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور ان اختلافات نے عقائد ونظریات کو اتنا متاثر کیا ہے کہ "توحید" و "نبوت" کے عقیدے بھی ان آویزشوں کی زد سے نہ بچ سکے۔

علم کلام میں اس مسئلہ پر سب سے زیادہ بحث ومباحثہ، سب سے زیادہ نزاع اور جدال ہوتی رہی

---

۱ الحلّی، حسن بن یوسف بن علی بن مطہر، الباب الحادی عشر، ص ۴۱۔

ہے اور اس پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

میرے سامنے جو مسئلہ ہے وہ یہ نہیں کہ کیا لکھوں بلکہ یہ کہ کیا نہ لکھوں۔ کوزہ میں سمندر کو بند نہیں کیا جاسکتا، اس چھوٹے سے کتابچہ میں نہ تو اس موضوع کے تمام مباحث کو سمیٹا جاسکتا ہے اور نہ جس مبحث کو بیان کیا جائے اس پر سیر حاصل بحث کی جاسکتی ہے۔ اس کتابچہ میں اس موضوع پر جو اختلاف ہیں ان کا ایک مختصر ساخاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شروع ہی میں یہ کہدینا بہتر ہے کہ مسلمان اس سوال پر دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ اہلسنت : جن کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر ہیں۔ اور شیعہ : جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب پیغمبرؐ کے پہلے خلیفہ اور امام ہیں۔

اس بنیادی اختلاف نے کئی دوسرے اختلافات کو جنم دیا جن کی وضاحت آئندہ کی جائے گی۔

(۲) اختلافات کا خلاصہ

پیغمبرؐ کی ایک متفق علیہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "إن امتي ستفترق بعدي إلى ثلاث و سبعين فرقة، فرقة منها ناجية و اثنان و سبعون في النار -- عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور باقی تمام فرقے ناری ہوں گے"۔[۲]

جن کو اپنی آخرت سنوارنے کی فکر ہوتی ہے وہ ہمیشہ راہ نجات اور صراط مستقیم کی تلاش وجستجو کرتے رہتے ہیں، ہر شخص پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عقل کو اپنا رہبر بنائے اور تحقیق وجستجو کرتا رہے یہاں تک کہ سچائی اور حق کا دامن اس کے ہاتھ میں آجائے۔ ان تمام اختلافات پر ایک طائرانہ نظر ڈالے اور جانب داری وتعصب سے بچ کر تمام معاملات کا ایک تنقیدی جائزہ لے اور فہم وتدبر کا سہارا لئے ہوئے خدا سے دعا کرتا رہے کہ وہ اسے صراط مستقیم کی ہدایت کرے۔

اسی لئے میں یہاں پر اہم اور خاص خاص اختلافی موضوعات کو اجمالاً بیان کرنے کے ساتھ، ان موضوعات سے متعلق فرقوں کے دلائل ونظریات کا بھی جائزہ لوں گا تاکہ تحقیق کی منزلیں آسان ہوجائیں۔

اس سلسلہ میں اہم سوالات یہ ہیں :

---

۲ خطيب التبريزي، مشكاة المصابيح، ج ۱، ص ۵۰؛ اور علامہ مجلسی نے بحار الانوار، ج ۲۸، ص ۲ میں ایک باب میں اسی عنوان سے احادیث کو جمع کیا ہے۔ شیخ عباس قمی، سفينة البحار، ج ۲، ص ۳۵۹۔

(۱) ”رسولؐ کے جانشین کا تقرر کرنا خدا کے اختیار میں ہے یا امت کی ذمہ داری ہے کہ جسے بھی چاہے رسولؐ کا جانشین مقرر کردے؟

(۲) ”اگر یہ امت کی ذمہ داری ہے تو کیا خدا یا رسولؐ نے امت کے ہاتھ میں کوئی ایسا دستور دیا جس میں 'خلیفہ' کے انتخاب کے قوانین اور طریقہ کار بیان کئے گئے ہوں؟ یا امت نے انتخاب کی منزل آنے سے پہلے کچھ قواعد وضوابط بنالئے تھے جس کی بعد میں پابندی کی گئی؟ یا امت نے ہر نئے موڑ پر جو طریقہ مفید مطلب ہوا اسے اختیار کرلیا۔ اور جو کچھ امت نے کیا، کیا اسے ایسا کرنے کا اختیار تھا؟

(۳) ”کیا عقل اور قوانین الٰہی کی رو سے امام اور خلیفہ کے اندر کچھ صلاحیتوں اور شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟ اگر ہاں! تو وہ شرائط اور خصوصیات کیا ہیں؟

(۴) ”پیغمبرؐ اسلام نے کسی کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا یا نہیں؟ اگر مقرر فرمایا تو وہ کون ہے؟ اگر نہیں مقرر کیا تو کیوں؟

(۵) ”وفات پیغمبرؐ کے بعد کس کو خلیفہ تسلیم کیا گیا اور کیا خلیفہ کے اندر جن شرائط کا وجود ضروری ہے وہ اس میں پائی جاتی تھیں یا نہیں؟“[۳]

(۳) بنیادی اختلاف

تفصیلات میں جانے سے پہلے، یہ بہتر ہے کہ ”امامت وخلافت“ کی ماہیت وخصوصیت کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کی بنیادی وجہ کو واضح کردیا جائے۔

امامت کی بنیادی خصوصیت کیاہے؟ کیا امام اولین حیثیت میں اور بنیادی طور پر سلطنت کا حاکم ہے؟ یا وہ اولین حیثیت میں اور بنیادی طور پر اللہ کا نمائندہ اور رسولؐ کا جانشین ہے؟

چونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ ”امامت اور خلافت“ رسولؐ کی جانشینی ہے لہٰذا یہ سوال اس وقت تک حل نہیں ہوسکتا ہے جب تک یہ طے نہ ہوجائے کہ خود رسولؐ کی بنیادی حیثیت کیا تھی؟ ہمیں یہ طے کرنا پڑے گا کہ کیا رسولؐ اپنی اولین حیثیت میں اور بنیادی طور پر ایک سلطنت کے حاکم تھے یا آپ اولین حیثیت میں اور بنیادی طور پر خدا کے نمائندہ تھے؟۔

اسلام کی تاریخ میں ہمیں نظر آتا ہے کہ ایک ایسا گروہ موجود تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مشن کو صرف حکومت قائم کرنے کی ایک کوشش سمجھتا تھا۔ اس کا نظریہ مادی تھا اور

---

۳ نجم العلماء سید نجم الحسن، النبوۃ و الخلافۃ (مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۵ء، طبع دوم) ص ۲-۳ (بہ تبدیل عبارت)۔

اس کا نصب العین زر، زمین اور اقتدار تھا۔ ہمیں تعجب نہیں ہوتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ رسول ﷺ کو بھی اپنے ہی آئینہ میں دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ رسولؐ نے یہ مشن انہیں مقاصد کے حصول کے لئے شروع کیا ہے۔

ابو سفیان کے خسر عتبہ بن ربیعہ کو قریش نے پیغمبرؐ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا: ”محمد! اگر تم اقتدار چاہتے ہو تو ہم تمہیں مکہ کا حاکم بنائے لیتے ہیں، اگر کسی بڑے خاندان میں شادی کرنا چاہتے ہو تو مکہ کی سب سے خوبصورت لڑکی سے شادی کردیں گے، اگر مال وزر چاہتے ہو تو اس سے کہیں زیادہ مال وزر دینے کے لئے تیار ہیں جتنا تم چاہتے ہو۔ لیکن اپنی اس تبلیغ سے باز آجاؤ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آباء واجداد جو ان بتوں کی پرستش کرتے تھے احمق تھے۔“

قریش کو بالکل یقین تھا کہ محمد ﷺ ان کی پیش کش کو قبول کرلیں گے لیکن پیغمبرؐ نے جواب میں سورہ حم سجدہ کی تلاوت فرمائی جس کی تیرہویں آیت میں یہ تنبیہ موجود ہے:

”فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ -- اگر کفار منھ پھر لیں تو میرے رسولؐ کہدو کہ تمہیں ایسی بجلی کے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسی قوم عاد وثمود پر گری تھی۔“

اس آیت کو سن کر عتبہ بہت زیادہ خوف زدہ ہوا۔ اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا، مگر قریش سے کہا: ”محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑدو اور یہ دیکھو کہ دوسرے قبیلے ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔“ اس پر قریش نے کہا کہ عتبہ پر بھی محمدؐ کا جادو چل گیا ہے۔[۴]

دوسرے الفاظ میں عتبہ محمد ﷺ کو دوسرے قبیلوں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ دوسری طرف جب پیغمبرؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور قریش نے جنگ پر جنگ شروع کی تو دوسرے قبیلے والوں نے یہی مناسب سمجھا کہ پیغمبرؐ کو خود ان کے قبیلہ والوں کے ہاتھ میں چھوڑدیا جائے۔ رسولؐ خدا کے صحابی عمرو بن سلمہ کا بیان ہے کہ ”عرب اس بات کے انتظار میں تھے کہ قریش اسلام قبول کریں، وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو خود ان کے قبیلہ والوں کے ہاتھ میں چھوڑدو، اگر پیغمبرؐ اپنے قبیلہ والوں پر غالب آگئے تو وہ یقیناً سچے نبی ہیں اس لئے جب مکہ فتح ہوگیا تو تمام قبائل نے بڑھ بڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔“[۵]

لٰہذا عربوں کے مطابق حق وصداقت کی کسوٹی فتح ونصرت تھی۔! اگر خدا نخواستہ پیغمبرؐ کو جنگ میں شکست کا سامنا ہوتا تو عرب رسولؐ خدا کو جھوٹا سمجھتے!

---

۴ ابن ھشام، السيرة النبية، ج ۱، ص ۳۱۲-۳۱۳۔

۵ صحيح البخاري، ج ۱، ص ۱۹۱؛ ابن كثير، البداية و النهاية، ج ۵، ص ۳۰۔

یہ نظریہ کہ پیغمبرؐ کا مقدس مشن حصول اقتدار کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس کو ابو سفیان اور اس کے اہل خاندان نے کئی مرتبہ بہ بانگ دہل دہرایا۔ فتح مکہ کے موقع پر جب ابو سفیان مکہ سے اس مقصد کے لئے باہر نکلا کہ مسلمانوں کی عسکری قوت کا اندازہ لگائے تو اس کو پیغمبرؐ کے چچا جناب عباس بن عبدالمطلب نے دیکھ لیا اور اسے لیکر پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے اور حضورؐ سے عرض کیا کہ ابو سفیان کو امان دیں اور کوئی خاص اعزاز عطا فرمائیں تاکہ وہ اسلام قبول کرلے۔ قصہ مختصر یہ کہ جناب عباس، ابو سفیان کو اسلامی لشکر کا معائنہ کرانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے مختلف قبیلوں اور ان کے سربرآوردہ لوگوں کی جانب اشارہ کر کے ابو سفیان کو پہچنوایا جو اس وقت لشکر اسلام میں موجود تھے۔ اسی اثناء میں پیغمبرؐ اپنے اصحاب کے ساتھ ادھر سے گذرے جو سب کے سب سبز لباس زیبِ تن کئے ہوئے تھے۔ ابو سفیان چلااٹھا: ”عباس! حقیقت میں تمہارے بھتیجے نے ایک بہت بڑی سلطنت قائم کرلی ہے!“ عباس نے کہا: ”وائے ہو تجھ پر، یہ سلطنت نہیں بلکہ نبوت ہے!“[۶]

یہاں دونوں متضاد نظریے پہلو بہ پہلو نظر کے سامنے ہیں۔ ابو سفیان نے اپنا نظریہ کبھی نہیں بدلا۔ جب عثمان خلیفہ ہوگئے تو ابو سفیان نے ان کے پاس آکر کہا: ”اے آل امیہ! اب، جبکہ حکومت تمہارے پاس آگئی ہے، اس سے اسی طرح کھیلو، جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں اور اس کو اپنے خاندان میں ایک سے دوسرے کی طرف اچھالتے جاؤ۔ یہ سلطنت ایک حقیقت ہے اور ہمیں یہ نہیں معلوم کہ جنت ودوزخ اور قیامت کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں!!۔“[۷] بقول شعبی جب عثمان (بیعت خلافت کے بعد) اپنے گھر گیا تو بنو امیہ اس کے گھر جمع ہوئے اور دروازہ کو بند کردیا۔ پھر ابو سفیان بن حرب نے کہا: ”کیا تمہارے اس اجتماع میں کوئی غیر تو نہیں؟“ (اس وقت اس کی بینائی کم ہوچکی تھی۔) تو جواب ملا: ”نہیں۔“ تو ابو سفیان نے کہا: ”اے بنو امیہ، اس (حکومت) کو گیند کی طرح سمجھو۔ وہ ذات جس کی قسم ابو سفیان کھاتا ہے، نہ عذاب ہے نہ حساب و کتاب ہے، نہ جنت ہے نہ جہنم، نہ دوبارہ زندہ ہونا ہے نہ قیامت ہے۔“[۸]

پھر وہ احد پہونچا اور رسولؐ کے چچا حمزہؑ کی قبر پر ٹھوکر مار کر کہنے لگا: ”اے ابویعلیٰ! دیکھو کہ جس حکومت کے لئے تم ہم سے جنگ کررہے تھے آخر کار وہ ہمارے قبضہ میں آگئی۔“[۹]

یہی وہ عقائد ونظریات تھے جو ابو سفیان کے پوتے یزید لعین کو وراثت میں ملے تھے جب

---

۶ ابو الفداء، المختصر في اخبار البشر، ج ۱، ص ۱۴۳-۱۴۴؛ الیعقوبی، التاریخ، ج ۲، ص ۵۹۔

۷ ابن عبد البر، الإستیعاب في معرفة الاصحاب، ج ۴ (طبع قاہرہ) ص ۱۶۷۹۔

۸ ابن ابی الحدید المعتزلی، شرح نہج البلاغة، ج ۹ (طبع دوم، قاہرہ، ۱۹۶۲ء) ص ۵۳.

۹ ایضا، ج ۱۶، ص ۱۳۶۔

ہی تو اس نے کہا تھا:

لعبت هاشم بالملك فلا *** خبر جاء ولا وحي نزل

یعنی: بنی ہاشم نے سلطنت کے لئے ایک ڈھونگ رچایا تھا ورنہ،

نہ تو خدا کی طرف سے کوئی خبر آئی تھی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔[۱۰]

اگر کوئی مسلمان یہی نظریہ رکھتا ہے تو وہ مجبور ہے کہ "امامت" کو "حکومت" سمجھے، اس مکتب فکر کے مطابق پیغمبر ﷺ کا اصل کام "حکومت" کا قیام تھا۔ لہٰذا جس کے ہاتھ میں بھی عنان حکومت آجائے گی وہ پیغمبرؐ کا حقیقی جانشین ہوجائے گا۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ نوے فیصد سے زیادہ انبیاء ایسے گذرے ہیں جن کو کسی قسم کا بھی سیاسی اقتدار حاصل نہیں تھا اور ان میں سے اکثر ایسے تھے جن پر ان کے دور کے ارباب اقتدار، مظالم کے پہاڑ، توڑتے رہے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ ان کی شان وشوکت تاج وتخت کی نہیں بلکہ ابتلاء وشہادت کی مرہون تھی۔

اگر نبوت کی بنیادی خصوصیت سیاسی اقتدار اور حکومت ہے تو شاید ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے مشکل سے پچاس بھی اپنے منصب نبوت کو باقی نہیں رکھ سکیں گے۔

اب یہ بالکل واضح ہوگیا کہ پیغمبر ﷺ کی بنیادی خصوصیت یہ نہیں تھی کہ وہ کسی سیاسی اقتدار کے مالک تھے بلکہ یہ تھی کہ وہ اللہ کے نمائندے تھے، یہ نمائندگی ان کو آدمیوں سے نہیں ملی تھی بلکہ اللہ نے عطا کی تھی۔

اسی طرح ان کے جانشین کی بنیادی خصوصیت سیاسی اقتدار نہیں ہوسکتی بلکہ وہ در حقیقت اللہ کا نمائندہ ہے اور یہ نمائندگی کسی کو بندوں کے ہاتھ سے نہیں مل سکتی، اللہ ہی کی جانب سے ملنا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ اگر امام اللہ کی نمائندگی کرنے آیا ہے تو اس کو اللہ کی طرف سے مقرر ہونا چاہیئے۔

(۴) اسلامی قیادت کا سسٹم

ایک دور تھا جب لوگ ملوکیت و بادشاہت کے علاوہ کسی اور نظام حکومت کو جانتے ہی نہ تھے اور اُس زمانے کے علماء بادشاہوں اور بادشاہی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کہا کرتے تھے "اَلسَّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ - بادشاہ خدا کا سایہ ہے،" گویا خدا کا بھی کوئی سایہ ہوتا ہے!

اس دور جدید میں جبکہ ہر طرف جمہوریت کا بول بالا ہے تو اب سنی علماء بڑے شدومد سے

---

۱۰ سبط ابن الجوزی، تذکرۃ خواص الأمۃ، ص ۲۶۱؛ الطبری، التاریخ، ج ۱۳، ص ۲۱۷۴۔

ہزاروں مضامین اور کتابوں میں یہ لکھ رہے ہیں کہ اسلامی نظام حکومت ڈموکریسی اور جمہوریت پر قائم ہے۔ وہ اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ہی نے جمہوریت کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ لکھتے ہوئے وہ یونان کی شہری جمہوریتوں کو بھول جاتے ہیں۔ اس صدی کے نصف آخر سے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں سوشلزم اور اشتراکیت کا زور بڑھ رہا ہے۔ مجھے مطلق تعجب نہیں ہوتا جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ کچھ نیک نیت علماء اسلام، ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کررہے ہیں کہ اسلام سوشلزم کی تعلیم دیتا ہے۔ کچھ لوگوں نے پاکستان وغیرہ میں اس کو قائم کرنے کے لئے "اسلامی سوشلزم" کا نعرہ ایجاد کیا ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ اسلامی سوشلزم کا مطلب کیا ہے؟ لیکن مجھے تعجب نہ ہوگا کہ اگر دس بیس سال کے بعد لوگ یہ نعرہ لگانے لگیں کہ اسلام "کمیونزم" کی تعلیم دیتا ہے!

ہوا کے رخ پر گھومنے کا یہ طریقہ اسلامی قیادت کے سسٹم کا تمسخر اڑا رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے، ایک افریقی ملک میں مسلمانوں کا ایک اجتماع تھا اور اس ملک کا صدر جمہوریہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھا۔ ایک مسلم لیڈر نے اپنی تقریر میں کہا کہ اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ "أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ - اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔" لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ اپنے حاکم وقت کی اطاعت کرو! اپنے جواب میں صدر مملکت نے (جو ایک کٹر رومن کیتھولک تھا) کہا: یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو لیکن یہ کون سی منطق ہے کہ حکم دیا جائے کہ "حاکم وقت کی اطاعت کرو؟" اگر حاکم وقت ظالم وجابر ہو تو کیا ہوگا، کیا اسلام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ بغیر کسی مقاومت ومزاحمت کے وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہیں؟!

فہم وفراست سے بھرپور اس دانشورانہ اور چونکا دینے والے سوال کا جواب بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ ایک غیر جانب دار کی حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ اگر قرآن کریم کے مفاہیم کو غلط انداز سے نہ پیش کئے جاتے تو اس عیسائی صدر کو اتنی جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ اسلام کو ہدف تنقید بناتا۔

اب آیئے غور کریں کہ اسلام میں قیادت کا نظام کیا ہے، کیا ڈیموکریسی ہے؟ آیئے تو پہلے دیکھیں کہ جمہوریت کے معنی کیا ہیں؟ جمہوریت کی بہترین تعریف ابراہام لِنکن نے کی ہے۔ "the government of the people, by the people and for the people = عوام کی حکومت، عوام کے ذریعہ اور عوام کے لئے۔"

لیکن اسلام میں ”عوام کی حکومت“ نہیں ہے، یہاں صرف اللہ کی حکومت ہے۔ تو پھر عوام اپنے سیاسی نظام کو کس طرح چلاتے ہیں، وہ اپنے اوپر حکومت کیسے کرتے ہیں؟ وہ اپنے اوپر حکومت کرتے ہیں اپنے قوانین خود بناکر، لیکن اسلام میں قوانین عوام نہیں بلکہ خدا بناتا ہے، ان پر قوانین کا نفاذ لوگوں کی رضا مندی سے نہیں بلکہ پیغمبرؐ کے ذریعہ سے، اللہ کے حکم سے۔ عوام کا قانون سازی میں کوئی دخل نہیں ہے، ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اس پر عمل کرتے رہیں۔ ان کو ان قوانین اور احکام پر تبصرہ کرنے یا مشورہ دینے کا کوئی حق نہیں ہے! خداوند عالم اسی سلسلہ سورہ احزاب کی آیت ۳۶ میں ارشاد فرماتا ہے:

”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ - کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دے تو ان کو اپنے کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو...“

اب ہم دوسرے فقرہ پر آتے ہیں یعنی ”عوام کے ذریعہ۔“ ہمیں دیکھنے دیجئے کہ عوام اپنے اوپر کس طرح حکومت کرتے ہیں: وہ اپنے حکمرانوں کا خود انتخاب کرتے ہیں۔ مگر پیغمبرؐ جو اسلامی حکومت کی انتظامیہ اور عدلیہ بلکہ تمام شعبوں کے اعلیٰ ترین حاکم تھے، آپ کو عوام نے منتخب نہیں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اہل مکہ کو اجازت ہوتی کہ وہ اپنی پسند کا رہبر منتخب کرلیں تو وہ طائف کے عروہ بن مسعود یا مکہ کے ولید بن مغیرہ کو خدا کا رسول منتخب کرتے! جیسا کہ قرآن کریم اس کی وضاحت فرمارہا ہے:

”وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ - کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔“[11]

لہٰذا اسلامی مملکت کے سربراہ کے انتخاب میں نہ صرف یہ کہ عوام کی کوئی رائے نہیں لی گئی بلکہ حقیقت میں عوامی ترجیحات کے برخلاف حضورؐ کا تعین ہوا۔ پیغمبرؐ اسلام اعلیٰ حکومت کے مالک ہیں اور آپ کی ذات میں حکومت کے تمام شعبے (مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ) مجتمع ہیں اور وہ عوام کے منتخب کردہ نہیں تھے۔

مختصر یہ کہ نہ تو اسلامی حکومت ”عوام کی حکومت“ ہے اور نہ ہی ”عوام کے ذریعہ سے“ ہے یہاں عوام قانون نہیں بناتے، اور انتظامیہ اور عدلیہ عوام کے سامنے جواب دہ نہیں، اور نہ ہی

---

۱۱ سورہ زخرف، آیت ۳۱۔ اور ”بڑے آدمی“ کی تشریح کیلئے ملاحظہ ہو السیوطی، لباب النقول في اسباب النزول (مطبوعہ مع تفیسر الجلالین) ص ۲۸۹، ۶۴۹۔

یہ حکومت ”عوام کے لئے“ ہے۔ اسلامی نظام شروع سے آخر تک اللہ کے لئے ہے۔ ہر کام ”صرف خدا کے لئے“ ہونا چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ کوئی کام عوام کے لئے ہوا تو اس کو 'شرک خفی' کہتے ہیں۔ جو کام بھی انسان کرے چاہے عبادات ہوں یا معاملات، سماجی خدمات ہوں یا خاندانی امور، والدین کی اطاعت ہو یا حقوق ہمسایہ، امامت نماز جماعت ہو یا کوئی عدالتی کارروائی، جنگ ہو یا صلح ہر کام قربة الی اللہ ہونا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی نظام حکومت، اللہ کی حکومت ہے، اللہ کے نمائندے کے ذریعہ، اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لئے: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ -- ہم نے جن و انس نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ میری عبادت کریں۔“[۱۲]

یہ الٰہی حکومت ہے اور یہی اسلامی قیادت کی خصوصیت اور خاصیت ہے۔ اب آئندہ فصلوں میں یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ تشریح آیت ”اطاعت اولی الامر“ پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔

* * * * *

---

۱۲ سورہ الذاریات، آیت ۵۶۔

حصہ دوم

شیعوں کا نقطۂ نظر

(۵) اِمامَت کی ضرورت
اَور امام کے ضروری خصوصیات

(الف) امام کی ضرورت:

شیعی نقطہ نظر سے امامت عقلاً ضروری ہے۔ یہ ایک لطف خدا ہے۔ 'لطف' خدا اس فعل کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بغیر کسی جبر کے بندے خدا کی فرمانبرداری سے قریب اور اس کی نافرمانی سے دور ہوجائیں۔ اور شیعہ علم کلام میں یہ بات پایہ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ ایسا لطف خدا پر واجب ہے۔ فرض کرو خدا اپنے بندے کو کوئی حکم دیتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ بندہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا اور بندہ کے لئے اس کی بجا آوری ناممکن یا بہت ہی دشوار ہے اور یہ دشواری یا عدم امکان اسی وقت ختم ہو گا جب خدا بندے کی مدد کرے، ایسی صورت میں اگر اللہ بندے کی مدد نہیں کرتا تو گویا خدا خود اپنے مقصد کو باطل کررہا ہے۔ ظاہر ہے ایسی غفلت عقلاً قبیح ہے، اور خدا ہر قبیح سے مبرا ہے، اسی مدد کو لطف کہتے ہیں اور لطف عقلاً اللہ پر واجب ہے۔

امامت ایک لطف خداوندی ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب عوام کے لئے ایک رئیس اور رہبر ہوگا، جس کی وہ اطاعت کرتے ہوں، جو ظالموں سے مظلوموں کا حق دلوائے تو عوام نیکیوں سے قربت اور برائیوں سے دوری اختیار کریں گے۔

چونکہ امامت ایک لطف ہے لہٰذا اللہ پر واجب ہے کہ امام کو مقرر کرے تاکہ وہ رسولؐ کے بعد امت کی ہدایت کرتا رہے۔[۱]

(ب) افضلیت:

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ کی طرح امام بھی امت سے ہر صفت میں افضل ہوتا ہے، چاہے علم ہو یا شجاعت، تقویٰ ہو یا سخاوت، یا ایسے ہی دوسرے صفات اور اس کو الٰہی قوانین کا پورا علم ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ یہ منصب اعلیٰ کسی ایسے کے حوالے کردیا جائے جو اپنے دور میں مفضول ہو، جبکہ اس سے افضل موجود ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مفضول کو افضل پر ترجیح دی گئی جو عقلاً قبیح اور عدل خداوندی کے خلاف ہے۔ اس لئے خدا کسی افضل کے ہوتے ہوئے کسی مفضول کو عہدۂ امامت نہیں دے سکتا ہے۔[۲]

---

۱ الحلّی، الباب الحادی عشر، ص ۳۹-۴۰۔

۲ الحلّی، الباب الحادی عشر، ص ۴۴۔

(ج) عصمت:

امامت کی ایک دوسری صفت "عصمت" ہے۔ اگر امام معصوم نہ ہوگا تو اس میں خطا کا امکان باقی رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو گمراہ کرے۔[۳]

اول تو امام کے معصوم نہ ہونے کی صورت میں جو حکم وہ دے گا اس کی صحت پر کامل بھروسہ نہیں کیا جاسکے گا۔

دوسرے یہ کہ امام حاکم ہے اور امت کا رہنما ہے لہٰذا امت پر فرض ہے کہ بغیر کسی چوں وچرا کے ہر معاملہ میں اس کی پیروی کرے۔ اب اگر امام گناہ کا مرتکب ہو تو امت پر بھی اس گناہ کا ارتکاب فرض ہوجائے گا۔ اس صورت حال کی نامعقولیت اظہر من الشّمس ہے کیونکہ گناہ میں اطاعت قبیح، ناجائز اور حرام ہے۔ مزید بر آن، امام کی ایک ہی بات میں اطاعت بھی واجب ہوگی اور نافرمانی بھی اور ایک ہی وقت میں امام کی اطاعت اور نافرمانی دونوں واجب ہونا صریحاً مہمل بات ہے۔

تیسرے اگر امام کے لئے گناہ کا ارتکاب ممکن ہوگا تو دوسروں پر یہ فرض عائد ہوگا کہ وہ امام کو گناہ سے روکیں کیونکہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ دوسروں کو حرام کاموں سے روکے۔ ایسی صورت میں امام لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوجائے گا اور اس کی عزت ختم ہوجائے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ امت کی قیادت ورہبری کے بجائے خود وہ امت کا پیروکار ہوجائے گا، اور اس کی امامت ہی بیکار ہوجائے گی۔

چوتھے یہ کہ امام الٰہی قوانین کا محافظ ہوتا ہے اور تحفظ قانون الٰہی ایک ایسی ذمہ داری ہے جو غیر معصوم ہاتھوں میں نہیں دی جاسکتی اور نہ غیر معصوم الٰہی قوانین کا کما حقہ تحفظ کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود نبوت کے لئے "عصمت" ایک لازمی شرط تسلیم کی گئی ہے اور وہی اسباب جن کی بناء پر نبوت کے لئے "عصمت" لازمی سمجھی جاتی ہے انہیں اسباب کی بناء پر امامت اور خلافت کے لئے "عصمت" ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں تیرہویں باب میں "اولوا لامر" کی بحث میں "عصمت" کی ضرورت کو مزید واضح کیا جائے گا۔

(د) خدا کی طرف سے تعین:

جس طرح صرف ان صفات کے پائے جانے کی وجہ سے کوئی شخص خود بخود نبی نہیں ہوسکتا اسی طرح خود بخود امام بھی نہیں ہوسکتا۔ امامت کوئی اکتسابی عہدہ نہیں کہ انسان محنت کرکے یہ عہدہ

---

۳ ایضا، ص ۴۱-۴۲۔

کسب کرلے بلکہ یہ خدائی عطیہ ہے جو اس کے خاص بندوں کو ملتا ہے۔[۴]

یہی وجہ ہے کہ شیعہ اثنا عشری فرقہ کا عقیدہ ہے کہ رسولؐ کا جانشین صرف خدا مقرر کرسکتا ہے اور یہ کہ اس مسئلہ میں امت کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ امت کا فریضہ صرف یہ ہے کہ خدا کے مقرر کردہ امام یا خلیفہ کی پیروی کرتی رہے۔

اس کے مقابلہ میں اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ خلیفہ کا تقرر کرے۔

۱۔ آیات قرآنی سے تائید:

مندرجہ ذیل آیتین شیعوں کے عقیدے کی تصدیق وتائید کرتی ہیں:

[پہلی آیت] ”وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ - اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتاہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا پاک اور کہیں برتر ہے۔“[۵]

اس آیت سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کو کسی قسم کے انتخاب کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ کام مکمل طور پر خدا کے اختیار میں ہے۔

[دوسری آیت] حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل خداوند عالم نے ملائکہ سے فرمایا:

”... إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ... بہ تحقیق میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والاہوں...“[۶]

جب ملائکہ نے خدائی اسکیم کے خلاف مؤدبانہ لہجہ مین اعتراض کیا تو ان کے اعتراض کو ایک مختصر سے جواب سے اڑادیا گیا: ”إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ - جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو۔“ اگر خلیفہ کی تقرری میں معصوم ملائکہ کی دخل اندازی نہیں پسند کی گئی تو غیر معصوم افراد کون ہوتے ہیں کہ ان کو پورا اختیار دیدیا جائے کہ جس طرح چاہیں خلیفہ بنالیں؟

[تیسری آیت] اللہ نے حضرت داوٴد نبیؑ کو روئے زمین پر خود خلیفہ بنایا ہے:

”يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ - اے داوٴدؑ بہ تحقیق ہم نے تمہیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ قراردیا۔“[۷]

---

۴ ایضا، ص ۴۳۔

۵ سورہ القصص، آیت ۶۸۔

۶ سورہ البقرۃ، آیت ۳۰۔

۷ سورہ ص، آیت ۲۶۔

ملاحظہ فرمائیں کہ خلیفہ یا امام کے تقرر کو کس طرح خدا نے ہر جگہ صرف اپنی ذات اقدس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

[چوتھی آیت] حضرت ابراہیم کو آواز دی جارہی ہے :

"قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ -- خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا "امام" بنانے والاہوں (حضرت ابراہیمؑ نے) عرض کی اور میری اولاد میں سے۔ فرمایا (ہاں) لیکن میرا عہد ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔"[۸]

امامت کے متعلق بہت سے سوالات کے جوابات اس آیت سے معلوم ہوجاتے ہیں:

(الف) اللہ نے فرمایا: "بہ تحقیق میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والاہوں۔" اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے جو امت کے دائرہ اختیار سے بالکل باہر ہے۔

(ب) "میرا یہ عہد ظالمین کو نہیں پہونچے گا۔" اس سے یہ واضح ہوگیا کہ غیر معصوم "امام" نہیں ہوسکتا۔ منطقی طور پر ہم بنی نوع انسان کو چار گروہوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

(۱) جو ساری زندگی ظالم رہا ہو۔

(۲) جنہوں نے زندگی بھر ظلم ہی نہیں کیا۔

(۳) جو پہلے ظالم تھے اور بعد میں توبہ کرلی اور عادل ہوگئے۔

(۴) جو ابتدائی زندگی میں ظالم نہیں تھے بعد میں ظالم بن گئے۔

حضرت ابراہیمؑ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ آپ پہلے اور چوتھے گروہ کی امامت کے لئے خدا سے سوال کرتے۔ اب دو گروہ باقی رہ جاتے ہیں: یعنی دوسرا اور تیسرا جو اس دعا میں شامل ہوسکتا ہے۔ اللہ نے ان میں سے بھی ایک کو مسترد کردیا ہے: یعنی وہ گروہ جو ابتدائی زندگی میں ظالم رہا ہو مگر آخر میں ظلم سے توبہ کرکے عادل ہوگیا ہو۔ اب صرف ایک ہی گروہ باقی رہ جاتا ہے جو امامت کا مستحق ہے جس نے زندگی بھر کبھی کوئی ظلم نہ کیا ہو یعنی جو معصوم ہو۔

(ج) آخری جملہ کا ترجمہ یہ ہے: "میرا عہد ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔" یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ "ظالمین میرے اس عہدہ تک نہیں پہونچ سکتے" کیونکہ اس جملہ سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ یہ انسان (البتہ جو عادل ہو) کے اختیار میں ہے کہ عہدہ امامت تک پہونچ جائے۔ مگر جو جملہ اللہ نے استعمال فرمایا ہے اس سے اس طرح کی کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی بلکہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ حصول امامت فرزند آدمؑ کے اختیار میں بالکل نہیں بلکہ صرف

---

۸ سورہ بقرۃ، آیت ۱۲۴۔

اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے یہ عہدہ عطا کرتا ہے۔

[پانچویں آیت] پھر ایک عام قاعدہ کے طور پر فرمایا:

"وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا - ان سب کو (لوگوں کا) امام بنایا کہ ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے تھے۔"[9]

[چھٹی آیت] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک وزیر کی ضرورت ہوئی کہ وہ ان کی نبوت کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے تو انہوں نے خود اپنے اختیار سے کسی کو اپنا وزیر نہیں مقرر کیا بلکہ انہوں نے خدا سے دعا کی

"وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي - اور میرے کنبہ والوں میں سے میرے بھائی ہاروں کو میرا وزیر بنا دے۔" خدانے جواب دیا: "قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ - اے موسیٰ تمہاری سب درخواستیں منظور کرلی گئیں۔"[10]

اس خدائی انتخاب کا اعلان امت کے درمیان یا نبیؐ کے ذریعہ ہوتا ہے یا سابق امام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور اس اعلان کو "نَص" کہتے ہیں جس کے لفظی معنی توضیح و تعین ہے اور اصطلاحی معنی ہیں: "نبی یا سابق امام کے ذریعہ مابعد کے امام کا اعلان۔" شیعہ عقیدہ کے مطابق امام کو "منصوص مِنَ اللہ" یعنی وہ جو اللہ کی طرف سے اس منصب کیلئے معین کیا گیا ہے۔

۲۔ انبیاء کی تاریخ کی روشنی میں:

ہمیشہ سے انبیاء کرام کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ حکم خدا کے مطابق، بغیر امت کی کسی قسم کی مداخلت کے، اپنے خلیفہ اور جانشین کا اعلان کیا کرتے تھے۔

انبیاء سلف کی تاریخ ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی نبی کا جانشین امت کے "ووٹ" کے ذریعہ منتخب ہواہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ خاتم النبیینؐ کے جانشین کے سلسلہ میں خدا کا ہمیشہ سے جاری رہنے والا یہ قانون بدل جائے۔ خدا فرماتا ہے: "وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا - تم خدائی قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤگے!"[11]

۳۔ عقلی دلائل:

<u>اولا:</u> وہ تمام عقلی دلائل جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ نبیؐ کا تقرر خداوند عالم کا مخصوص

---

۹ سورۃ الانبیاء، آیت ۷۳۔

۱۰ سورۃ طٰہ، آیت ۲۰-۳۰، ۳۶۔

۱۱ سورۃ الاحزاب، آیت ۶۲۔

اختیار ہے انہیں دلائل سے اتنی ہی طاقت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کے جانشین کا تقرر بھی خدا ہی کی جانب سے ہونا چاہئے۔

نبی ہی کی طرح امام اور خلیفہ کا تقرر بھی اسی لئے ہوتا ہے کہ وہ خدائی کاموں کو انجام دے، اسے خدا کے سامنے جواب دہ ہونا چاہئے۔ اگر عوام اس کا تقرر کرینگے تو اس کی وفاداری اللہ کے لئے نہیں بلکہ عوام کے لئے ہوگی کہ جو اس کے اقتدار کی بنیاد ہوں گے، وہ ہمیشہ لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے گا اس لئے کہ اگر اس پر سے امت کا اعتماد اٹھ گیا تو امت اسے معزول کرسکتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی مذہبی ذمہ داریوں کو بلا کھٹکے غیر جانب داری کے ساتھ پورا نہیں کرسکتا بلکہ اس کی نگاہیں ہمیشہ حالات کے رخ اور سیاسی اتار چڑھاؤ پہ لگی رہیں گی، اس طرح خدا کا کام بگڑ جائے گا۔

تاریخ اسلام کے صفحات میں ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی کہ صدر اسلام سے آخر تک، لوگوں کے بنائے ہوئے خلفاء نے کس طرح مذہب کے اصول وار کان کی بے محابا دھجیا اڑائی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دلیل صرف عقلی قیاس آرائی نہیں ہے، بلکہ یہ ٹھوس تاریخی حقائق کی بنیاد پر قائم ہے۔

ثانیا: انسان کے دل کی بات اور اندرونی خیالات ونظریات کو صرف خدا ہی جان سکتاہے۔ ایک انسان کی طینت وفطرت کیسی ہے اوپر سے دیکھ کر کوئی بھی نہیں بتلا سکتا۔ ہوسکتا ہے کوئی شخص وضع سے اپنے کو متقی اور پرہیزگار اور احکام خدا کی پابندی کرنے والا ظاہر کرے تاکہ لوگ اس سے متاثر ہوں، لیکن ریاکارانہ دینداری سے اس کا اصل مقصد تحصیل دنیا ہو۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ عبدالملک بن مروان کو لیجئے جو سارا وقت مسجد میں عبادت اور قرآن کی تلاوت میں صرف کیا کرتا تھا۔ وہ قرآن کی تلاوت کررہا تھا جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کا باپ دنیا سے رخصت ہوگیا اور لوگ اس کی بیعت کرنے کے لئے جمع ہیں، اس نے قرآن بند کیا اور کہا: ”هذا فراق بيني وبينك - میرے اور تیرے درمیان اب چھٹم چھٹا۔“[۱۲]

چونکہ امام اور خلیفہ کے لئے جو صفات، خصوصیات اور شرائط لازمی ہیں ان کو حقیقت میں صرف اللہ ہی جان سکتا ہے لہٰذا صرف خدا ہی کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ امام اور خلیفہ کا تقرر کرے۔

(ھ) معجزہ:

اگر کسی امامت کے دعویدار کے بارے میں کوئی ”نص“ نہ معلوم ہو تو صرف ایک ہی طریقہ

۱۲ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۱۷۔

اس کی سچائی کے معلوم کرنے کا ہے اور وہ ہے معجزہ۔[۱۳]

ویسے تو کوئی انسان یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ امام یا خلیفہ رسول اور معصوم ہے۔ ایسی صورت میں حقیقت حال معلوم کرنے کا واحد اور یقینی طریقہ صرف معجزہ ہے۔ اگر امامت کا دعویدار اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی معجزہ دکھلائے تو بغیر کسی شک وشبہ کے اسے قبول کرلیاجائے گا۔ اگر وہ معجزہ دکھلانے میں ناکام رہا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ امامت وخلافت کے شرائط کو پورا نہیں کرسکتا اور وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

(۶) عصمتِ ائمہ

آئیے اب دیکھیں کہ اہل بیت پیغمبرؐ کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔

قرآن کے مطابق وفاتِ رسولؐ کے وقت یہ چار ذوات مقدسہ ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم تھے: علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام، جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا - اے (پیغمبرؐ کے) اہلبیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک وپاکیزہ رکھے۔"[۱۴]

ملت اسلامیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مندرجہ بالا چار حضرات یقیناً اہلِ بیت پیغمبرؐ ہیں جو ہر قسم کے رجس سے پاک ومنزہ اور معصوم ہیں۔

اس آیت کے پہلے اور بعد کی آیتوں میں ازواج پیغمبرؐ کو خطاب کیا گیا ہے اور مؤنث ضمیریں استمال کی گئی ہیں لیکن اس آیت میں مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ یہ اندازہ کرنا کہ یہ آیت اس جگہ کیوں رکھی گئی ہے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ مشہور عالم علامہ پویا مرحوم نے ایس وی میر احمد علی مرحوم کے ترجمہ قرآن کریم کے حاشیہ نمبر ۱۸۵۷ میں تحریر فرمایا ہے:

"آیۂ کریمہ کا یہ حصہ جس میں اہل بیت طاہرینؑ کی خدائی عصمت کا ذکر کیاگیا ہے۔ اس کی سیاق وسباق کی آیات کے ساتھ توضیح وتشریح کرنا ضروری ہے کہ آیت کا یہ حصہ بالکل علیحدہ ہے جو ایک خاص موقع پر علیحدہ نازل ہوئی لیکن اسے ازواج رسولؐ کا تذکرہ کرنے والی آیات کے ضمن میں رکھا گیا ہے۔ اگر آیت کی ترتیب پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس ترتیب و

---

۱۳ الحلّی، الباب الحادی عشر، ص ۴۳۔

۱۴ سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳۔

محل وقوع کے پیچھے ایک اہم مقصد کار فرماہے۔ اس آیت کے ابتدائی حصہ میں تانیث کی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں لیکن اس ٹکڑے میں تانیث سے ہٹ کر مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ جہاں پر ازواج پیغمبرؐ کا ذکر ہے ضمیریں مسلسل مونث ہیں۔ جب مردوں اور عورتوں کے مخلوط مجمع کو خطاب کرنا ہوتا ہے تو عام طور سے ضمیر مذکر استعمال کی جاتی ہے۔ عربی زبان وقواعد کے لحاظ سے ضمائر کی یہ تبدیلی اس بات کو بالکل واضح کردیتی ہے کہ یہ جملہ ایک بالکل علیٰحدہ مفہوم ظاہر کررہا ہے اور اس کا مخاطب ایک ایسا گروہ ہے جو پہلے گروہ سے علیٰحدہ ہے اور اس جملے کو یہاں اس لئے رکھا گیا ہے کہ ازواج رسولؐ اور اہل بیتِ رسولؐ کے باہمی مدارج کا فرق واضح کردیا جائے۔

”ربیب رسولؐ حضرت عمرو بن ابی سلمہ فرماتے ہیں: ’جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت پیغمبرؐ جناب ام المؤمنین ام سلمہ کے گھر پر تھے کہ خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: ’اے (پیغمبرؐ کے) اہل بیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک وپاکیزہ رکھے۔‘ اس وقت پیغمبرؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ اور ان کے دونوں فرزند حسنؑ و حسینؑ اور شوہر یعنی اپنے ابن عم علیؑ کو اپنے پاس جمع کیا اور پھر سب کو اپنے ساتھ اپنی چادر اُڑھا کر خدا سے دعا کی، خدایا! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں ان سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھ اور اس طرح طاہر ومطہر قراردے جس طرح طاہر ومطہر رکھنے کا حق ہے۔ رسولؐ کی نیک زوجہ حضرت ام سلمہ نے اس عظیم الشان موقع پر رسولؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی اس بزم میں شامل ہوجاؤں؟ حضور نے جواب دیا، ’نہیں، تم اپنی جگہ پر رہو، بیشک تم خیر پر ہو۔‘“[۱۵]

یہاں پر موقع نہیں کہ اس آیہ کریمہ سے متعلق بے شمار حوالے دئے جائیں لہٰذا مشہور سنی عالم مولانا وحید الزمان کے حوالے پر اکتفاء کی جارہی ہے جنھوں نے قرآن کا ترجمہ اور تفسیر تحریر کی ہے اور قرآن وحدیث کی ایک لغت بھی لکھی ہے جس کا نام ”انوار اللغۃ“ اور اسکا معتبر کتابوں میں شمار ہوتاہے۔ وہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ”بعضوں نے اس کو خاص رکھا ہے نسبی گھروالوں سے یعنی حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ اور حسنؑ وحسینؑ سے۔ مترجم کہتا ہے صحیح حدیثیں جو پیغمبرؐ سے متصل ہیں اسی کی تائید کرتی ہیں کہ جب آنحضرت نے خود بیان فرمایا کہ میرے گھر والے یہ لوگ ہیں تو اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اور ایک قرینہ اس کا یہ ہے کہ اس میں اول وآخر جمع مؤنث حاضر کی ضمیر سے خطاب ہے اور اس میں جمع مذکر کی ضمیر سے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان آیتوں کے بیچ میں رکھ دی گئی ہے جن میں ازواج مطہرات سے خطاب تھا اور شاید صحابہ نے اجتہاد سے ایسا

۱۵ قرآن کریم (انگریزی ترجمہ) از میر احمد علی، حاشیہ نمبر ۱۸۵۷، ص ۱۲۶۱۔

کیا واللہ اعلم۔"[۱۶]

اس کے علاوہ "انوار اللغۃ" میں مولوی صاحب موصوف بذیل حدیث کساء لکھتے ہیں "صحیح یہ ہے کہ آیت تطہیر میں یہی پانچ حضرات مراد ہیں، گو عرب کے محاورہ میں اہلبیت ازواج کو بھی شامل ہے، اس سے بعضوں نے یہ نکالا ہے کہ یہ حضرات خطا اور گناہ سے معصوم تھے۔ خیر اگر معصوم نہ تھے تو محفوظ ضرور تھے۔"[۱۷]

اگر چہ میں خود ان کے بعض خیالات سے پوری طرح متفق نہیں ہوں، جب بھی میں نے یہ حوالے صرف اس لئے دئے ہیں کہ یہ ظاہر ہوجائے کہ نہ صرف شیعہ اثناعشری بلکہ علماء اہلسنت بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ عربی قواعد کے مطابق اور صحیح و متصل احادیث رسولؐ کے لحاظ سے یہ آیت رسولؐ کے ساتھ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ ہمارا دعویٰ کہ یہ حضرات معصوم تھے علمائے اہلسنت کو بھی قبول ہے اور یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ حضرات ان خمسۂ نجباء کو معصوم نہ سہی تو گناہوں سے محفوظ ضرور سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سی دوسری آیات واحادیث ہیں جو اہلبیتؑ کی عصمت کی گواہی دیتی ہیں لیکن اختصار مدِ نظر ہے لہٰذا اتنے ہی پر اکتفا کی جارہی ہے۔

---

۱۶ وحید الزمان، تفسیری وحیدی، پارہ ۲۲، ص ۵۴۹، حاشیہ نمبر ۷۔
(مزید روایات کیلئے السیوطی کی الدر المنثور کو دیکھیں جہاں اس نے آیت تطہیر کے ذیل میں پہلے چار روایات نقل کی ہے کہ "اہل البیت" سے مراد ازواج ہیں لیکن اس کے بعد سترہ روایات نقل کی ہیں جس میں "اہل البیت" سے مراد نبی، علی، فاطمہ اور حسنین (علیہم السلام) ہیں اور ان روایات کو جناب ام سلمہ، جناب عائشہ، سعید خدری، سعد، وائلہ بن الاصقع، انس، زید بن ارقم، قتادۃ، ابی الحمراء اور ابن عباس سے روایت کی ہے۔ اور ان کے ناقل ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی و ابن مردویہ، الخطیب، ترمذی، الحاکم، بیہقی، ابن ابی شیبہ، احمد، مسلم اور ابو نعیم ہیں۔)
[[آیت تطہیر کی بحث میں ضمیروں کا فرق (یعنی قبل و بعد ضمیریں جمع مونّث ہیں لیکن آیت تطہیر میں جمع مذکّر ہیں) اکثر علماء نے ذکر کیا ہے، لیکن ایک اور اہم فرق ہے جسے میرے جد امجد، مولانا سید محمد مہدی صاحب مرحوم نے بیسویں صدی کے اوائل میں بیان کیا ہے جسکا ذکر قارئین کیلئے یقیناً مفید ہوگا: "دوسرے، ازدواج کے گھر علیحدہ علیحدہ تھے جس کو خدا نے بُیُوت کے لفظ سے ذکر کیا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے وَ قَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ [جو جملہ تطہیر سے قبل ہے] و وَاذْكُرْنَ مَا يُتلٰى فِي بُيُوْتِكُنَّ [جو جملہ تطہیر کے بعد ہے]. اگر اس آیت تطہیر میں ازواج مراد ہوتیں تو خدا اَهْلَ الْبُيُوْتِ فرماتا اَهْلَ الْبَيْتِ نہ فرماتا." دیکھیں لواعج الاحزان، ج ۲، ص ۱۱۹۔ سید محمد رضوی]]
۱۷ وحید الزمان، انوار اللغۃ، پارہ ۲۲، ص ۵۱۔

(۷) افضلیتِ علیؑ

اسلام میں افضلیت یعنی: خدا کے نزیک اپنے عمل خیر کی وجہ سے زیادہ ثواب کا مستحق ہونا۔
تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہم اس افضلیت کا تعین اپنے خیالات کی بنیاد پر نہیں کرسکتے اور اس کو جاننے کا کوئی ذریعہ سوائے قرآن یا حدیث کے نہیں۔ مشہور عالم اہلسنت امام غزالی لکھتے ہیں: افضلیت کی حقیقت کو صرف اللہ جانتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا سوائے رسولؐ خدا کے۔[۱۸]
اکثر برادران اہلسنت افضلیت علیٰ ترتیب الخلافۃ کے قائل ہیں یعنی: سب سے افضل ابو بکر، پھر عمر پھر عثمان اور پھر علیؑ۔ لیکن یہ عقیدہ کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے اور نہ صدر اسلام کے اہلسنت اس عقیدے کے قائل تھے۔ دور پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابہ جیسے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد کندی، عمار بن یاسر، خباب بن ارت، جابر بن عبداللہ انصاری، حذیفہ یمانی، ابوسید الخذری، زید بن ارقم وغیرہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت علیؑ تمام اہلبیتؑ اور صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔[۱۹]
امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے نے ایک مرتبہ ان سے مسئلۂ افضلیت کو دریافت کیا تو انہوں نے کہا: ”ابو بکر پھر عمر اور پھر عثمان۔“ ان کے بیٹے نے پوچھا: ”اور علی ابن ابی طالب؟“ تو انہوں نے جواب دیا: ”يا بني، علي بن أبي طالب من أهل بيت لا يقاس بهم أحد - وہ اہلبیت رسولؐ میں سے ہیں، دوسروں کا ان سے کیا مقابلہ؟“[۲۰]

علامہ عبیداللہ امرتسری اپنی مشہور کتاب ارجح المطالب میں لکھتے ہیں کہ:

”چونکہ افضلیت سے اکثریت ثواب مراد ہے، اکثریت ثواب کا ثبوت صرف مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے مل سکتا ہے اور احادیث میں تعارض واقع ہے۔ پس جبکہ تعارض واقع ہو تو جانب اولیٰ کو ترجیح دینا چاہئے اور احادیث قوی اور ضعیف کا خیال رکھنا چاہئے۔
جناب امیر علیہ السلام کے فضائل میں جو احادیث کہ وارد ہوئی ہیں انکی نسبت علامہ عبدالبر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب [ج ۱، ص ۱۱۱۵] میں بذیل ترجمہ جناب امیر علیہ السلام لکھتے ہیں:

قال احمد بن حنبل واسمٰعیل بن اسحاق القاضی واحمد بن علی بن شعیب النسائی و ابو علی النیسابوری: لم یرد فی فضائل احد من الصحابۃ بالاسانید الجیاد ما روی فضائل علی بن ابی طالب۔

یعنی احمد بن حنبل اور قاضی اسمٰعیل بن اسحاق اور امام احمد بن علی بن شعیب النسائی اور ابو علی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ جس قدر جید سندوں کے ساتھ حدیثیں جناب علی بن ابی طالب

---

۱۸ الغزالی، احیاء علوم الدین، ج ۱، قسم ۲، ص ۱۰۔
۱۹ ابن عبد البر، الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۷۰۔
۲۰ سید سلیمان القندوزی، ینابیع المودۃ، ص ۲۵۳، [ابن الجوزی، مناقب احمد بن حنبل، ص ۲۱۹۔]

علیہ السلام کے حق میں روایت ہوئی ہیں ویسے کسی ایک صحابی کے حق میں نہیں ہوئیں۔
اس کے ماسوا اگر جناب امیرؑ کی خصوصیات کو دیکھا جائے اور آپ کے امور کثرت ثواب کے اسباب پر غور کیا جائے تو جناب امیرؑ ہی افضل الناس بعد خیر البشرؐ نظر آتے ہیں۔"[۲۱]

مصنف موصوف خود سُنّی تھے اور انہوں نے اس موضوع پر اپنی اسی کتاب میں تیسرے باب میں صفحہ ۱۰۳ کے شروع سے صفحہ ۵۱۶ کے آخر تک مفصل بحث کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں ان آیات اور احادیث کی فہرست بھی نہیں پیش کی جاسکتی جو افضلیت امیرالمومنین علیہ السلام کو ثابت کرتی ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے فضل میں کم از کم چھیاسی قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں اور احادیث کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک سرسری نظر دیکھنے والا بھی اس بات کو تسلیم کر لے گا کہ حضرت علیؑ بعدِ رسولؐ تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔

(۸) امیر المومنینؑ کا تعیّن

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی عصمت اور افضلیت کے مختصر بیان کے بعد سب سے اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی جارہی ہے اور وہ ہے آپ کا تعیّن ار تقرّر من جانب اللہ۔

بہت سے مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ حضرت علیؑ حضورؐ کے جانشین اور خلیفہ ہیں۔

حقیقت میں روز اول جب پیغمبرؐ نے اپنی رسالت ونبوت کا اعلان فرمایا اسی موقع پر آپؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا بھی اعلان فرمادیا تھا اور آپ نے یہ دونوں اعلان "دعوت عشیرہ" کے موقع پر فرمائے۔

جب پیغمبرؐ پر آیت "وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ - اے رسولؐ تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔" (سورہ شعراء، آیت ۲۶) نازل ہوئی تو حضورؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ کھانے کا انتظام کریں۔ اور آل عبدالمطلب کو دعوت دیں، تاکہ پیغمبرؐ خدائی پیغام ان تک پہنچائیں۔ کھانے کے بعد پیغمبرؐ حاضرین سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ابولہب نے یہ کہہ کر آپ کی بات کاٹنے کی کوشش کی کہ "حقیقت میں تمہارے ساتھی نے تمہارے اوپر جادو کردیا ہے۔" یہ جملہ سنتے ہی سب متفرق ہوگئے۔

رسولؐ خدا نے دوسرے دن پھر آل عبدالمطلب کو دعوت دی۔ جیسے ہی ان لوگوں نے کھانا ختم

۲۱ عبیداللہ امرتسری، ارجح المطالب، ص ۱۲۰-۱۲۱۔

کیا تو پیغمبرؐ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اے آل عبدالمطلب، میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی سعادت لے کر آیا ہوں، مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف بلاؤں، لہٰذا تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہوگا۔" کسی نے نبیؐ کی دعوت پر لبیک نہیں کہی سوائے حضرت علیؑ کے جو اس مجمع میں سب سے کم سن تھے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "لوگو! یہ علیؑ تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے، اس کی بات سنو! اور اس کی اطاعت کرو!"[۲۲]

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ تاریخ طبری مطبوعہ لیڈن ۱۸۷۹ء کے صفحہ ۱۱۷۳ پر پیغمبرؐ کے الفاظ اس طرح ہیں "وصيي وخليفتي - میرا وصی اور میرا خلیفہ۔" لیکن یہی تاریخ طبری مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۳ء میں پیغمبرؐ کے الفاظ کو بدل کر "كذا وكذا - وغیرہ، وغیرہ" کردیا گیا ہے! لطف یہ ہے کہ قاہرہ ایڈیشن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ لیڈن ایڈیشن کے مطابق ہے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ علمی دنیا میں دیانتداری اور امانتداری کو سیاسی مقاصد پر بھینٹ چڑھا دیا جائے!

(۹) ولایت علیؑ قرآن میں

واقعہ ذو العشیرہ کے بعد بہت سے مواقع پر بہت سی آیات اور احادیث مسلمانوں کو علیؑ کی ولایت کی جانب متوجہ کرتی ہیں کہ علیؑ بعدِ پیغمبرؐ ان کے ولی وحاکم ہیں۔ ان اہم آیات میں سے ایک آیت ولایت ہے :

"إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ - بس تمہارا ولی صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔" (سورہ مائدہ، آیت ۵۵)

۲۲ ابن الاثیر، الکامل، ج ۵، ص ۶۲-۶۳؛ البغوی، التفسیر، ج ۴، ص ۱۲۷؛ الخازن، التفسیر، ج ۴، ص ۱۲۷؛ البیہقی، دلائل النبوۃ، ج ۱، ص ۴۲۸-۴۳۰؛ السیوطی، الدر المنثور، ج ۵، ص ۹۷؛ المتقی الہندی، کنز العمال، ج ۱۵، ص ۱۰۰، ۱۱۳، ۱۱۵-۱۱۷؛ ابو الفداء، المختصر فی اخبار البشر، ج ۱، ص ۱۱۶-۱۱۷؛ الطبری، التاریخ، ج ۱، ص ۱۷۱-۱۷۳؛

Carlyle, T., *On Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History*, p. 54; Gibbon, E., *The Decline and Fall of the Roman Empire*, vol. 3, p. 94; Davenport, J., *An Apology for Mohammed and the Koran*, p. 21; Irving, W., *Mohammed and His Successors*, p. 45.

مزید حوالوں کیلئے علامہ امینی کی الغدیر، ج ۲، ص ۲۷۸-۲۷۹۔

شیعہ وسنی علماء متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت سے پوری طرح وضاحت ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں کے ولی صرف تین ہیں: سب سے پہلے اللہ ہے، پھر اس کا رسولؐ اور تیسرے حضرت علیؑ (اور آپ کی اولاد میں گیارہ امام)۔

ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ ایک دن وہ پیغمبرؐ کے ساتھ نماز کے بعد مسجد ہی میں موجود تھے کہ ایک سائل مسجد النبیؐ میں داخل ہوا اور اس نے سوال کیا۔ کسی نے اسے کچھ نہیں دیا۔ اب سائل نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: ”خدایا! گواہ رہنا کہ میں تیرے نبی کی مسجد میں سوالی بن کر آیا اور کسی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔“ اس وقت حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ آپ نے اپنی انگشت مبارک سے (جسمیں انگوٹھی تھی) اشارہ کیا، سائل نے بڑھ کر انگوٹھی اتار لی اور چلا گیا۔ یہ واقعہ رسولؐ کی موجودگی میں پیش آیا اور آنحضرتؐ نے اپناروئے مبارک آسمان کی طرف بلند کیا اور دعا کی: ”خدایا! میرے بھائی موسیٰ نے یہ دعا کی کہ: ان کے لئے شرح صدر کردے، ان کے کام کو آسان کردے، ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات سمجھنے لگیں اور ان کے اہل سے ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنادے اور ہارون کے ذریعے ان کی پشت کو مضبوط کردے اور ہارون کو ان کے کام میں ان کا شریک قراردے، خدایا! تونے موسیٰ سے فرمایا: ہم تیرے بازوکو تیرے بھائی کے ذریعے مضبوط کردیں گے اور کوئی تم دونوں میں سے کسی ایک تک بری نیت سے نہیں پہنچ سکتا۔ خدایا! میں محمدؐ ہوں اور تونے مجھے فضیلت عطا کی ہے، میرے سینے کو میرے لئے کشادہ کردے، میرے امور کو میرے لئے آسان کردے اور میرے اہل سے میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر قرار دے اور ان کے ذریعے میری پشت کو مضبوط کر۔“ ابھی پیغمبرؐ کی دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ جبرئیل مذکورہ بالا آیت لیکر نازل ہوئے۔[۲۳]

اس جگہ اس حدیث کے سیکڑوں حوالوں کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ یہ آیت اور پیغمبرؐ کی دعا دونوں مل کر اور علیٰحدہ علیٰحدہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ خدانے حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں کا ولی وحاکم مقرر کیا تھا۔

(۱۰) غدیر خم کا اعلانِ عام

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت وامامت کے بارے میں غدیر سے پہلے جتنے اعلانات ہوئے وہ

۲۳ الطبری، التفسیر، ج ۶، ص ۱۸۶؛ السیوطی، الدر المنثور، ج ۲، ص ۲۹۳؛ الراضی، التفسیر الکبیر، ج ۱۲، ص ۲۶؛ الزمخشری، تفسیر الکشاف، ج ۱، ص ۶۴۹؛ الحصاص، احکام القرآن، ج ۲، ص ۵۴۲-۵۴۳؛ الخازن، التفسیر، ج ۲، ص ۶۸۔

سب غدیر کا مقدمہ تھے۔

اس واقعہ کو تمام شیعہ وسنی علماء و محققین اور مؤرخین نے متفقہ طور پر اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ہم یہاں ایک مختصر سا خاکہ پیش کررہے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان کرنے کے لئے کیسے زبردست انتظامات کئے گئے تھے۔

غدیر خم مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ میں واقع ہے، جس وقت پیغمبرؐ اپنا آخری حج بجالانے کے بعد مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں خداوندعالم کا یہ فوری حکم لے کر جبرئیل نازل ہوئے: ”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ - اے رسول! جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور خدا تم کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔“ (سورہ مائدہ، آیت ٦٧)

یہ سنتے ہی رسولؐ فوراً ٹھہر گئے اور آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ آگے بڑھ گئے ہیں انہیں واپس بلایا جائے اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کا انتظار کیا جائے۔ پورا قافلہ ایک جگہ جمع ہوگیا۔ پالانِ شتر کا منبر بنایاگیا۔ میدان سے ببول کے کانٹے صاف کئے گئے۔ پیغمبرؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا: اس دن اتنی شدید گرمی تھی کہ میدان بالکل تپ رہا تھا۔ لوگوں کی حالت یہ تھی کہ اپنی عبا کا ایک حصہ اپنے سر پر ڈالے تھے اور دوسرا پَیروں کے نیچے بچھائے ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کا کچھ اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے۔

معاشرالناس....ان جبرئیل هبط الی مرارا ثلثا یامرنی عن السلام ربی و هو السلام ان اقوم فی هذا المشهد فأعلم کل ابیض واسود ان علي ابن ابی طالب اخی و وصیي و خلیفتی و الامام من بعدی، الذی محله منی محل هارون من موسی، الا انه لا نبی بعدی و هو ولیکم بعد الله ورسوله.

لوگو!... جبرئیل میرے پاس تین مرتبہ آئے اور میرے پروردگار کی طرف سے، جو خود سلام ہے، یہ حکم مع سلام لائے کہ میں اس مقام پر کھڑاہوں اور ہر گورے اور کالے کو یہ اطلاع دوں کہ علی ابن ابی طالب میرے بھائی اور میرے وصی اور میرے خلیفہ اور میرے بعد امام ہیں، ان کی منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی، فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بعد تم سب کا ولی ہے۔

...فاعلموا معاشر الناس ان الله قدنصبه لکم ولیا واماما مفترضاً طاعته علی المهاجرین

و الانصار و على التابعين لهم باحسان. و على البادى والحاضر و على الاعجمى و العربى و الحر و المملوك و الصغير و الكبير و على الابيض و الاسود و على كل موحد ماض حكمه جائز قوله نافذ امره، ملعون من خالفه مرحوم من تبعه و من صدقه، فقد غفرالله له ولمن سمع منه واطاع له.

معاشرالناس انه اخر مقام اقومه فى هذا المشهد، فاسمعوا و اطيعوا و انقادوا لامر ربكم، فان الله عزوجل هو ربكم و وليكم و الهكم. ثم من دونه رسوله محمد وليكم القائم المخاطب لكم ثم من بعدى علي وليكم وامامكم بامر الله ربكم ثم الامامة فى ذريتى من ولده الى يوم القيامة ثم يلقون الله ورسوله.

...اے لوگو! تم سمجھ لو کہ اللہ نے علی کو یقیناً تمہارے واسطے ایسا ولی اور ایسا امام مقرر کر دیا ہے جس کی اطاعت مہاجرین پر بھی لازم ہے اور انصار پر بھی اور جو نیکی میں ان کے تابع ہیں ان پر بھی، صحرا نشینوں پر بھی اور شہر کے رہنے والوں پر بھی عجمی پر بھی اور عربی پر بھی، آزاد پر بھی اور غلام پر بھی، بچے پر بھی اور بوڑھے پر بھی، گورے پر بھی اور کالے پر بھی، ہر خدا کے واحد ویکتا ماننے والے پر اس کا حکم جاری ہو گا، اس کا قول ماننا پڑیگا اس کا فرمان نافذ ہو گا. جو اس کی مخالفت کرے گا ملعون ہو جائے گا اور جو اس کی متابعت اور اس کی تصدیق کرے گا اس پر رحم کیاجائے گا کہ اللہ نے خود اس کو مغفور فرمایا ہے اور جو شخص اس کی بات سنے گا اور اس کی اطاعت کریگا اس کو بھی۔

اے لوگو! یہ آخری موقع ہے کہ میں ایسے مجمع میں کھڑا ہوا ہوں، پس تم سنو اور مانو اور اپنے پروردگار کے حکم کی اطاعت کرو کہ خدائے عزوجل تمہارا پروردگار اور تمہارا ولی اور تمہارا معبود ہے پھر اس کے بعد اس کا رسول محمدؐ تمہارا ولی ہے جو اس وقت کھڑا ہوا تم سے بات کررہا ہے پھر میرے بعد تمہارے پروردگار کے حکم سے علی تمہارا ولی اور تمہارا امام ہے۔ پھر قیامت کے دن تک یعنی اس دن تک کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے حضور میں پہنچو گے امامت میری اولاد میں چلی جائے گی جو علیؑ کی صلب سے ہو گی۔...

معاشر الناس! تدبروا القرآن وافهموا آياته وانظروا الیٰ محكماته ولا تتبعوا متشابه فوالله لن يبين لكم زواجره ولا يوضح لكم تفسيره الا الذى انا آخذ بيده ومصعده الیٰ وسائل بعضده ومعلمكم. ان من كنت مولاه فهذا على مولاه و هو على بن ابى طالب ، اخى و وصيي وموالاته من الله عزوجل انزلها على...

...لوگو! قرآن مجید میں غور کرو اور اس کی آیتوں کو سمجھو اور اس کے محکمات میں نظر ڈالو اور اس کے متشابہات کی پیروی نہ کرو، خدا کی قسم اس کی تنبیہات سوائے اس شخص کے جس کا ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوں اور جس کو میں اپنی طرف اٹھائے ہوئے ہوں اور جس کا بازو میں تھامے ہوئے ہوں۔ کوئی تمہارے لئے واضح نہیں کرے گا نہ اس کی تفسیر بیان کرے گا اور تمہیں بتاتا ہوں کہ بیشک جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کا مولا ہے اور یہ علیؑ بن ابی طالب ہے جو میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے اور اس کا یہ ولی ہونا اللہ کی طرف سے ہے اور اسی نے مجھ پر نازل فرمایا ہے ... ۔[۲۴]

اس خطبہ میں اختصار کے ساتھ دوسرے آئمہ طاہرین کا تذکرہ بھی کردیا گیا ہے اور پیغمبرؐ نے دوسری احادیث میں تفصیل کے ساتھ تمام آئمہ طاہرینؑ کے نام بیان فرمائے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک موقع پر پیغمبرؐ نے امام حسینؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”تم امام ہو، فرزند امام ہو، برادرِ امام ہو اور تمہاری نسل میں نو امام ہوں گے جن میں کا نواں قائمؑ ہوگا۔“[۲۵]

اس واقعہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے والا بھی اس حقیقت کو محسوس کرلے گا کہ یہ اسلام کا انتہائی اہم مسئلہ تھا اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے حکم خدا کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لئے ہر ممکن انتظام کیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ عرب کا تپتا ہوا صحرا، جھلسادینے والی دھوپ، نصف النہار پر آفتاب اور رسولؐ پالان شتر کے منبر پر تشریف لے جاتے ہیں۔ پہلے طویل خطبہ ارشاد فرماکر اپنے وصال کے قرب کی خبر دی، پھر ان کو اس بات پر گواہ بنایا کہ آنحضرت نے کامل طریقے سے تبلیغِ رسالت کا فرض انجام دیا ہے۔ اس کے بعد ان سے سوال کیا: ”اَلَسْتُ اَوْلیٰ بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ؟ - کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا ہوں؟“ سب نے ایک آواز ہوکر کہا: ”بلیٰ یا رسولَ اللہ! - بیشک یا رسول اللہ۔“ تب پیغمبرؐ نے فرمایا: ”مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاہُ - جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔“ آخر میں علیؑ کے لئے اس طرح دعا فرمائی: ”اللّٰھُمَّ والِ من والاہ وعاد من عاداہ...وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ - خدایا اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کو دشمن رکھے ...اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اس کو چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے۔“

جب جانشینی کی تقریب انجام پاچکی تو یہ آیت نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا - آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا اور

---

۲۴ الطبرسی، الاحتجاج، ج ۱، ص ۶۶-۸۴۔

۲۵ القندوزی الحنفی، ینابیع المودۃ، باب ۷۷۔

اپنی نعمتیں تم پر تمام کردیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کرلیا۔“ (سورہ مائدہ، آیت ۳)

اس الٰہی فرمان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت علیؑ کی امامت پر تقرری سے دین کامل ہوا اور اللہ کی نعمتیں تمام ہوئیں اور اللہ اسلام سے راضی ہوگیا۔

جب خدا کی جانب سے خوش خبری کا پیغام آیا تو لوگوں نے پیغمبرؐ کے سامنے علیؑ کو مبارکبادي دی اور شعراء نے قصیدے پڑھے۔ یہ تمام حقائق کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن کا ہم آگے ذکر کررہے ہیں۔

(الف) حدیث غدیر متواتر ہے

پیغمبر اسلام کے اس خطبہ میں حدیث ثقلین اور حدیث ولایت بڑی اہمیت کی حامل ہیں جو کہ اہلسنت کی مستند کتابوں میں درج ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا:

”میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑرہا ہوں...۱۔ کتاب خدا ...۲۔ میری عترتؑ جو کہ میرے اہلبیتؑ ہیں اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں ، اللہ میرا ولی ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں۔“

پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

”جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں۔“

ان دونوں حدیثوں کو ”حدیث ثقلین“ اور ”حدیث ولایت“ کہتے ہیں۔ دونوں کو سیکڑوں محدثین نے ملا کر اور الگ الگ درج کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی تحریر فرماتے ہیں: ”حاکم ابوسعید کہتا ہے کہ حدیث موالات اور حدیث غدیر خم کو ایک جماعتِ صحابہ نے روایت کیا ہے اور اس کی نقل متواتر چلی آرہی ہے حتیٰ کہ حدِ تواتر کے اندر داخل ہوچکی ہے اور محمد بن جریر طبری نے حدیث غدیر خم کے لئے پچھتر طرق اسناد ذکر کئے ہیں اور اس کے لئے اس نے ایک علیٰحدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام ’کتاب الولایت‘ رکھا ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کے اسناد میں ایک مستقل رسالہ لکھ کر اس حدیث کے متواتر ہونے کا حکم دیا ہے اور ابوالعباس بن عقدہ نے حدیث غدیر خم کو ایک سو بچاس اسانید سے بیان کیا ہے اور اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔“[۲۶]

بعض مصنفین نے یہ کوشش کی ہے کہ حدیث غدیر کی صحت میں شبہ پیدا کردیں اس لئے یہ

---

۲۶ نواب صدیق حسن خان، منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول، ص ۱۲-۱۳، ۹۲۔

بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے اور مشہور محقق علامہ امینیؒ نے اپنی کتاب الغدیر کی پہلی جلد میں مکمل حوالوں کے ساتھ ایک سو دس اصحابِ رسولؐ کے نام درج کئے ہیں جنھوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ میں یہاں وہ چند نام درج کررہاہوں جو ”الف“ سے شروع ہوتے ہیں اور ان کا سنِ وفات بھی قوسین میں درج ہے:

۱۔ ابو لیلیٰ انصاری (متوفی ۳۷ھ)؛

۲۔ ابو زینب بن عوف الانصاری؛

۳۔ ابوفضالہ الانصاری (متوفی ۳۸)؛

۴۔ ابوقدامہ الانصاری؛

۵۔ ابوعمرہ بن عمر محصّن الانصاری؛

۶۔ ابو الھیثم بن یتھان (متوفی ۳۷)؛

۷۔ ابورافع القبطی (آپ پیغمبرؐ کے غلام تھے)؛

۸۔ ابودوئیب خویلد یا خالد الھذلی؛

۹۔ اسامہ بن زید بن حارثہ (متوفی ۵۶ھ)؛

۱۰۔ ابی بن کعب الانصاری (متوفی ۳۰ھ یا ۳۲ھ)؛

۱۱۔ اسعد بن زرارہ الانصاری؛

۱۲۔ اسماء بنت عمیس؛

۱۳۔ ام المومنین ام سلمہ؛

۱۴۔ ام ہانی بن ابی طالبؑ؛

۱۵۔ ابوحمزہ انس بن مالک الانصاری؛

۱۶۔ ابوبکر بن ابی قحافہ؛

۱۷۔ ابوہریرہ۔[۲۷]

---

۲۷ الامینیؒ، الغدیر، ج ۱، ص ۱۴-۱۸۔

[راویان حدیث غدیر کے سلسلہ میں سب سے پہلا تحقیقی کارنامہ علامہ میر حامد حسین موسوی ہندی (متوفی ۱۳۰۶ھ) کی معرکتہ الاعلی کتاب عبقات الانوار ہے جس کے اگیارہ جلدوں میں سے تین حدیث غدیر کے اسناد، تواتر اور معنی پر ہیں۔ میر حامد حسین نے ۳۶ صحابہ کے نام لکھیں ہیں۔ اس کے بعد علامہ امینیؒ (متوفی ۱۳۹۰ھ) نے اسی اسلوبِ کو اپناتے ہوئے صحابہ راویان حدیث غدیر کی تعداد کو ۱۱۰ تک لائے جس کا ذکر انہوں نے الغدیر کی پہلی جلد میں کیا ہے۔ لیکن یہ تحقیقی سفر ابھی جاری ہے: میرے شیخ روایت، علامہ محقق سید عبد العزیز طباطبائی (متوفی ۱۴۱۶ھ) ⟸

ان ایک سو دس صحابہ کے علاوہ تقریباً ۸۴ تابعین نے بھی اس حدیث کو مندرجہ بالا صحابہ کرام سے روایت کیا ہے ان میں چند "الف" سے شروع ہونے والے نام یہاں بطور مثال لکھے جاتے ہیں:

۱۔ ابوراشد الجرانی الشامی؛

۲۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف؛

۳۔ ابوسلیمان المؤذن؛

۴۔ ابوصالح السمان ذکوان المدنی؛

۵۔ ابوعنفوانہ المازنی؛

۶۔ ابوعبدالرحمن الکندی؛

۷۔ ابو قاسم اصبغ بن نباتہ التیمی؛

۸۔ ابولیلیٰ الکندی؛

۹۔ ایاس بن نذیر۔[28]

محدثین نے ہر دَور میں اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔یہاں پر ہم دوسری صدی ہجری کے چند محدثین کے نام دے رہے ہیں:

۱۔ ابومحمد عمروبن دینارا لجمحی المکی (متوفی ۱۱۵ھ - ۱۱۶ھ)؛

۲۔ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ القرشی الزہری (متوفی ۱۲۴ھ)؛

۳۔ عبدالرحمن بن قاسم بن ابی بکر التیمی المدنی (متوفی ۱۲۶ھ)؛

۴۔ بکر بن سوادہ بن ثمانہ ابوثمامہ البصری (متوفی ۱۲۸ھ)؛

۵۔ عبداللہ بن ابی نجیح یسار الثقفی ابو یسار المکی (متوفی ۱۳۱ھ)؛

۶۔ الحافظ مغیرہ بن مقسم ابوہشام الضبی الکوفی (متوفی ۱۳۳ھ)؛

۷۔ ابو عبدالرحمن خالد بن زیاد الجمحی البصری (متوفی ۱۳۹ھ)؛

⇐ کی مزید کاوش سے صحابہ راویان حدیث کی تعداد ۱۲۰ تک پہونچ گئی ہے۔ اس حدیث کے راویوں کی کثرت غیر معمول ہے اس لئے کہ شاید ہی کوئی حدیث ملے شیعہ یا سنی کتب میں جس کے راویوں کی تعداد اتنی ہو! لیکن غدیر خم کے مجمع کی تعداد (۱۲۰۰۰۰) کو دیکھتے ہوئے محقق طباطبائی نے بالکل سچ کہا ہے: **رواته کثیرون للغاية و قليلون للغاية**۔ یعنی صرف تعداد کے لحاظ اس حدیث کے راوی بہت ہیں لیکن مجمع کے تعداد کے لحاظ سے وہ کم بہت ہیں! دیکھیں: عبد العزیز الطباطبائی، الغدیر فی التراث الاسلامی (قم: نشر الہادی، ۱۴۱۵ھ) ص ۷-۸۔ سید محمد رضوی]

۲۸ ایضا، ص ۶۲-۶۲۔

۸۔ حسن بن الحکم النخعی الکوفی (متوفی تقریباً ۱۴۰ھ)؛

۹۔ ادریس بن یزید ابوعبداللہ الآوی الکوفی؛

۱۰۔ یحییٰ بن سعید بن حیان التیمی الکوفی (متوفی ۱۴۵ھ)؛

۱۱۔ عوف بن ابی جمیلہ العبدی الہجری البصری (متوفی ۱۴۶ھ)؛

۱۲۔ حافظ عبدالملک بن ابی سلیمان العرزمی الکوفی (متوفی ۱۴۵ھ)؛

۱۳۔ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی (متوفی ۱۴۷ھ)؛

۱۴۔ نعیم الحکیم المدائنی (متوفی ۱۴۸ھ)؛

۱۵۔ طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ بن عبیداللہ التیمی الکوفی (متوفی ۱۴۸ھ)؛

۱۶۔ ابومحمد کثیر بن زیاد الاسلمی (متوفی تقریباً ۱۵۰ھ)؛

۱۷۔ الحافظ محمد بن اسحاق المدنی (متوفی ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ)؛

۱۸۔ الحافظ معمر بن راشد ابوعروۃ الازدی البصری؛

۱۹۔ الحافظ مسعر بن کدام بن ظہیر الہلالی الرواسی الکوفی (متوفی ۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ)؛

۲۰۔ ابوعیسیٰ حکم بن ابان العدنی (متوفی ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ)؛

۲۱۔ عبداللہ بن شوذب البلخی البصری (متوفی ۱۵۷ھ)؛

۲۲۔ الحافظ شعبہ بن الحجاج ابوبسطام الواسطی (۱۶۰ھ)؛

۲۳۔ الحافظ ابوالعلاء کامل بن العلاء التمیمی الکوفی (متوفی تقریباً ۱۶۰ھ)؛

۲۴۔ الحافظ سفیان بن سعید الثوری ابوعبداللہ الکوفی (متوفی ۱۶۱ھ)؛

۲۵۔ الحافظ اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی ابویوسف الکوفی (متوفی ۱۶۲ھ)؛

۲۶۔ جعفر بن زیاد الکوفی الاحمر (متوفی ۱۶۵ھ یا ۱۶۶ھ)؛

۲۷۔ مسلم بن سالم النہدی ابوفروہ الکوفی؛

۲۸۔ حافظ قیس بن الربیع ابو محمد الاسدی الکوفی (متوفی ۱۶۵ھ)؛

۲۹۔ حافظ حماد بن سلمہ ابی سلمہ البصری (متوفی ۱۶۷ھ)؛

۳۰۔ حافظ عبداللہ بن لھیعہ ابوعبدالرحمن البصری (متوفی ۱۷۴ھ)؛

۳۱۔ حافظ ابوعوانہ الوضاح بن عبداللہ الیشکری الواسطی البزار (متوفی ۱۷۵ھ یا ۱۷۶ھ)؛

۳۲۔ القاضی شریک بن عبداللہ ابوعبداللہ النخعی الکوفی (متوفی ۱۷۷ھ)؛

۳۳۔ حافظ عبداللہ یا عبیداللہ بن عبیدالرحمن یا عبدالرحمن الکوفی ابوعبدالرحمن الاشجعی (متوفی ۱۸۲ھ)؛

۳۴۔ نوح بن قیس ابوروح الحدانی البصری (متوفی ۱۸۳ھ)؛

۳۵۔ المطلب بن زیاد ابن ابی زہیر الکوفی ابوطالب (متوفی ۱۸۵ھ)؛

۳۶۔ قاضی حسان بن ابراہیم الغزی ابوہاشم (متوفی ۱۸۶ھ)؛

۳۷۔ حافظ جریر بن عبدالحمید ابوعبداللہ الضبی الکوفی الرازی (متوفی ۱۸۸ھ)؛

۳۸۔ الفضل بن موسی ابوعبداللہ المروزی السینانی (متوفی ۱۹۲ھ)؛

۳۹۔ حافظ محمد بن جعفر المدنی البصری (متوفی ۱۹۳ھ)؛

۴۰۔ حافظ اسمٰعیل بن علیہ ابوبشر بن ابراہیم الاسدی (متوفی ۱۹۲ھ)؛

۴۱۔ حافظ محمد بن ابراہیم ابوعمروبن ابی عدی السلمیٰ البصری (متوفی ۱۹۴ھ)؛

۴۲۔ حافظ محمد بن حازم ابومعاویہ التمیمی الضریر (متوفی ۱۹۵ھ)؛

۴۳۔ حافظ محمد بن فضل ابوعبدالرحمن الکوفی (متوفی ۱۹۵ھ)؛

۴۴۔ حافظ الوکیع بن الجراح الرواسی الکوفی (متوفی ۱۹۶ھ)؛

۴۵۔ حافظ سفیان بن عینیہ ابو محمد الھلالی الکوفی (متوفی ۱۹۸ھ)؛

۴۶۔ حافظ ابوعبداللہ بن نمیر ابوہشام الہمدانی الخریفی (متوفی ۱۹۹ھ)؛

۴۷۔ حافظ حنش بن الحرث النخعی الکوفی؛

۴۸۔ ابو محمد موسی بن یعقوب الزمعی المدنی؛

۴۹۔ العلاء بن سالم العطار الکوفی؛

۵۰۔ الازرق بن علی بن مسلم الحنفی ابوالجہم الکوفی؛

۵۱۔ ہانی بن ایوب الحنفی الکوفی؛

۵۲۔ فضیل بن مرزوق الاغرالرواسی الکوفی (تقریباً ۱۶۰ھ)؛

۵۳۔ ابوحمزہ سعد بن عبیدہ السلمی الکوفی؛

۵۴۔ موسیٰ بن مسلم الحزامی الشیبانی ابو عیسیٰ الکوفی الطحان (موسیٰ الاصغر)؛

۵۵۔ یعقوب بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری المدنی(متوفی ۲۴۳ھ)؛

۵۶۔ عثمان بن سعد بن مرة القرشی ابو عبداللہ ابو علی الکوفی... ۔[۲۹]

یہ واضح ہوگیا کہ اس حدیث کو ہر طبقہ میں اتنے راویوں نے بیان کیا ہے کہ جو اس کو متواتر درمتواتر کردینے کے لئے کافی ہے۔ رہا علماء ومحدثین کا مسئلہ جنہوں نے اپنی احادیث کی کتابوں میں اس حدیث کو بیان کیا ہے تو یہ لکھ دینا کافی ہے کہ علامہ امینیؒ نے ہر قرن کے مصنفین کے نام درج کئے ہیں جن کی تعداد ۳۶۰ ہوتی ہے۔[۳۰]

(ب) اسناد حدیث غدیر

بعض لوگوں نے اس حدیث کے اسناد میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جیسا کہ علم حدیث کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ اگر حدیث متواتر ہے تو ایک ایک سند کا جانچنا اور پرکھنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس اعتراض کے کھوکھلے پن کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ مشہور محدثین کے اقوال یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

الف: حافظ ابو عیسیٰ الترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی کتاب صحیح الترمذی میں (جو کہ صحاحِ ستہ میں سے ایک ہے) کہا ہے: ”ھذا حدیث حسنٌ صحیحٌ - یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔“[۳۱]

ب: حافظ ابوجعفر الطحاوی (متوفی ۲۷۹ھ)نے اپنی کتاب مشکل الآثار میں لکھا ہے: ”فھذا الحدیث صحیح الاسناد ولاطعن لاحد فی رواته - یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کے راویوں کے بارے میں کسی نے کوئی قدح نہیں کی ہے۔“[۳۲]

ج: ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ) نے اپنی کتاب مستدرك میں اس حدیث کو کئی اسناد سے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ”یہ حدیث صحیح ہے۔“[۳۳]

---

۲۹ ایضا، ج ۱، ص ۷۳-۸۱۔

۳۰ ایضا، ج ۱، ص ۷۳-۱۵۱۔

۳۱ ترمذی، صحیح ، ج ۲، ص ۲۹۸۔

۳۲ طحاوی، مشکل الآثار، ج ۲، ص ۳۰۸۔

۳۳ نیشاپوری، مستدرك، ج ۳، ص ۱۰۹-۱۱۰۔

د: ابو محمد احمد بن محمد العاصمی نے لکھا ہے: ” و ھذا حدیث تلقته الأمة بالقبول و ھو موافق بالاصول - اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اور یہ اصول کے عین مطابق ہے۔“[۳۴]

اسی طرح سیکڑوں محدثین میں سے مندرجہ ذیل محدثین نے بھی اس حدیث کو صحیح لکھا ہے:

۱۔ ابوعبداللہ المحاملی البغدادی نے اپنی کتاب الامالی میں؛
۲۔ ابن عبدالبر القرطبی نے الاستیعاب میں؛
۳۔ ابن المغازلی الشافعی نے المناقب میں؛
۴۔ ابوحامد الغزالی نے سرالعالمین میں؛
۵۔ ابوالفرج ابن الجوزی نے المناقب میں؛
۶۔ سبط ابن الجوزی نے تذکرۃ خواص الامۃ میں؛
۷۔ ابن ابی الحدید المعتزلی نے شرح نہج البلاغۃ میں؛
۸۔ ابوعبداللہ الگنجی الشافعی نے کفایۃ الطالب میں؛
۹۔ ابوالمکارم علاء الدین سمنانی نے العروۃ میں؛
۱۰۔ ابن حجر العسقلانی نے تھذیب التھذیب میں؛
۱۱۔ ابن کثیر الدمشقی نے اپنی تاریخ میں؛
۱۲۔ جلال الدین سیوطی (قطف لازھار میں)؛
۱۳۔ القسطلانی نے المواھب اللدینیۃ میں؛
۱۴۔ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقۃ میں؛
۱۵۔ عبدالحق دہلوی نے شرح المشکوٰۃ میں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے۔[۳۵]

مندرجہ بالا تمام محدثین سنی ہیں اور سنیوں کی اصطلاح میں حدیث کو صحیح اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ حدیث کو تسلسل کے ساتھ ایسے رواۃ نقل کریں جو عادل ہوں، جن کا حافظہ قوی ہو، نیز اس میں کوئی نقص نہ ہو اور وہ شاذ نہ ہو۔ اگر حدیث کی سند میں مندرجہ بالا شرائط پائی جاتی ہوں لیکن اس کے ایک یا زیادہ رواۃ کا حافظہ اس معیار کا نہ ہو جو حدیث کو صحت کے درجے تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے تو اس حدیث کو ”حسن“ کہتے ہیں۔[۳۶]

۳۴ العاصمی، زین الفتی بنقل الغدیر ج ۱، ص ۲۹۵۔
۳۵ الغدیر، ج ۱، ۲۹۴-۳۰۴۔
۳۶ صبحی صالح، علوم الحدیث و مصطلحاته، ص ۱۴۵، ۱۵۶۔

لہٰذا جب سنی علماء یہ کہیں کہ حدیث غدیر "صحیح" ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نظر میں اس کے رواۃ عادل ہیں یعنی ان کے عقیدے یا عمل میں کوئی نقص نہیں، ان کا حافظہ قوی ہے اور نہ اس حدیث میں کوئی نقص ہے اور نہ یہ "شاذ" ہے۔

(ج) لفظ مولا کے لغوی معنی

چونکہ سنی حضرات حدیث غدیر کا انکار نہیں کرسکتے اس لئے وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ "مولا" کے مفہوم کو ہلکا کردیں۔ لہٰذا وہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فقط یہ اعلان کرنا چاہا تھا کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے یہ علیؑ بھی دوست ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ میدان غدیر کے مجمع میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جس نے مولا کے معنی "دوست" سمجھے ہوں۔ بارگاہ رسالت کے مشہور شاعر حسّان بن ثابت نے اسی وقت ایک قصیدہ کہا اور اسی مجمع میں پڑھا اور سامعین سے داد لی جس کی ایک بیت یہ ہے:

فقال له قم يا على فانني *** رضيتك من بعدى اماما وهاديا

پیغمبرؐ نے ان سے فرمایا: "اے علیؑ! اٹھو! اس لئے کہ میں اس بات سے خوش ہوں کہ اپنے بعد تمہیں امام اور ہادی مقرر کروں۔"

حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علیؑ کو ان الفاظ میں مبارکباد پیش کی:

"هنيئاً لك يابن ابى طالب اصبحت وامسيت مولىٰ كل مومن ومومنة - اے ابو طالب کے فرزند مبارک ہو کہ آج کے دن تم ہر مومن ومومنہ کے مولا ہوگئے!"[۳۷]

اگر مولا کے معنی دوست کے ہیں تو یہ مبارکباد کاہے کی ہے؟ اور کیا اس دن سے پہلے علیؑ مومنین اور مومنات کے "دشمن" تھے جو حضرت عمر نے یہ کہا کہ "آج" کے دن تم سب کے دوست ہوگئے ؟!!

حضرت علیؑ نے خود بھی معاویہ کو لکھا "....پیغمبرؐ خدا نے روز غدیر خم اپنے تمام اختیارات مجھے سونپ کر تمہارا مولا بنایا تھا۔"[۳۸] اس کے علاوہ رسولؐ کے بہت سے صحابہ کرام نے بھی اپنے اشعار میں غدیر خم کا واقعہ نظم کیا ہے جہاں انہوں نے "مولا" کے معنی "حاکم" کے لئے ہیں۔

---

۳۷ الخطیب التبریزی، مشکاۃ المصابیح، ص ۵۵۷؛ میر خواند، حبیب السیر، ج ۱، حصہ ۳، ص ۱۴۴؛ الطبری، الولایۃ؛ الرازی، التفسیر الکبیر، ج ۱۲، ص ۴۹-۵۰؛ احمد بن حنبل، المسند، ج ۴، ص ۲۸۱؛ ابن ابی شیبہ، المصنف؛ ابو یعلی، المسند؛ احمد بن عقبۃ، الولایۃ وغیرہ۔ مزید حوالوں کیلئے دیکھو الغدیر، ج ۱، ص ۲۷۰-۲۸۳۔

۳۸ الغدیر، ج ۱، ص ۳۴۰۔

علوم قرآن اور عربی ادب کے سیکڑوں ماہرین نے "مولا" کے معنی "اَولیٰ" کے بیان کئے ہیں جس کا مطلب اولیٰ بالتصرف ہوتا ہے۔ مثال کے طورپر چند نام یہاں درج کئے جاتے ہیں: ابن عباس (تفسیر ابن عباس میں)، الکلبی اور الفرّاء (جن کے اقوال التفسیر الکبیر میں درج ہیں)، ابو عبیدہ معمر بن مثنی البصری (جن کا قول التفسیر الکبیر اور شرح المواقف الجرجانی میں درج ہے)، اخفش (جن کا قول نہایۃ العقول میں درج ہے)، امام بخاری (الصحیح البخاری جلد ۷ صفحہ ۲۴۰ میں)، ابن قتیبہ (قرطین میں)، الشیبانی (شرح السبعۃ المعلقۃ الزوزنی میں)، طبری (اپنی تفسیر میں)، الواحدی (الوسیط میں)، الثعلبی (الکشف والبیان میں)، الزمخشری (الکشاف میں)، البیضاوی (تفسیر بیضاوی میں)، النسفی (اپنی تفسیر میں)، الخازن البغدادی (اپنی تفسیر میں) محب الدین آفندی (تنزیل الآیات میں)۔[۳۹]

(د) مولا کے معنی سیاق وسباق میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کے سیاق وسباق سے مولا کے کیا معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی لفظ ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال ہوتا ہو تو اس کے صحیح معنی معلوم کرنے کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے قرائن اور سیاق وسباق پر نظر کی جائے۔ اس حدیث میں بہت سے قرائن ایسے ہیں کہ جس سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ یہاں پر "مولا" سے سوائے "حاکم وسردار" کے دوسرے معنی مراد لئے ہی نہیں جاسکتے جن میں چند قرینے حسب ذیل ہیں:

اولاً: اس اعلان سے قبل رسولؐ خدا نے مجمع سے سوال کیا: "الست اولیٰ بکم من انفسکم؟ - کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اولیٰ بالتصرف نہیں ہوں؟" جب مجمع نے جواب دیا "بلیٰ یا رسول اللہ! ہاں بیشک یا رسول اللہ!" تب پیغمبرؐ نے اعلان فرمایا: "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ -- جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں۔" اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہاں "مولا" کے وہی معنی ہوں گے جو اس کے ماقبل کے سوال میں "اولیٰ بکم" کے ہیں یعنی کہ میں تم پر "اولیٰ بالتصرف" ہوں۔ اور کم ازکم ۶۴ سنی محدثین نے پیغمبرؐ کے اس سوال کو نقل کیا ہے ان میں امام احمد بن حنبل، ابن ماجہ، نسائی اور ترمزی شامل ہیں۔[۴۰]

دوسرے: پیغمبرؐ نے اعلان کے فوراً بعد یہ دعا فرمائی: "اللّٰھُمَّ وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ -- خدایا! تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ

---

۳۹ تفصیلی حوالوں کے لئے علامہ امینی کی الغدیر ج ۱، ص ۳۴۴-۳۵۰ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۰ ایضا، ص ۳۷۰-۳۷۱۔

جو علیؑ کو دشمن رکھے، اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے، اور اس کو چھوڑدے جو علیؑ کو چھوڑدے۔"
اس دعا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دن علیؑ کو کوئی ایسی اہم ذمہ داری سونپی گئی تھی جس کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ کچھ لوگ ان کے دشمن ہوجائیں (اور وہ غیر معمولی ذمہ داری سوائے حکمران بنانے کے اور کوئی نہیں ہوسکتی) اور جس فریضہ کی انجام دہی میں ان کو ناصر ومددگار کی ضرورت پڑے گی۔ کیا کبھی کسی نے سنا ہے کہ دوستی نبھانے کے لئے مددگار کی ضرورت ہو؟!

تیسرے: پیغمبرؐ کا یہ اعلان کہ: "وہ وقت قریب ہے کہ مجھے بلایا جائے گا اور میں دعوت قبول کرلوں گا" نیز آخر میں یہ کہاں کہ: "یہ آخری موقع ہے کہ میں ایسے مجمع میں کھڑا ہوں۔" ان جملوں سے صاف ظاہر ہے کہ رسولؐ اللہ اپنی وفات کے بعد مسلمانوں کی رہبری کا انتظام کررہے تھے۔

چوتھے: صحابہ کرام کی مبارک باد یا ان کے اظہار مسرت کے بعد لفظ "مولا" کے معنی میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

پانچویں: موقع، جگہ اور وقت: غور کرو کہ پیغمبرؐ دوپہر میں اپنا سفر روک دیتے ہیں اور عرب کے اس تپتے ہوئے صحرا میں اپنے ساتھ چلنے والے کم از کم ایک لاکھ حاجیوں کو بھی رکنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ کانٹوں سے بھری اسی جلتی زمین پر بیٹھ جاؤ اور پھر پالان شتر کا منبر بنایا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ تصور کرو کہ پیغمبرؐ ایک طویل خطبہ ارشاد فرماتے ہیں اور ان تمام اہتمامات کے بعد آخر میں صرف اتنا سا اعلان کرتے ہیں کہ: "جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ علیؑ سے محبت کرے" یا "جس کا میں دوست ہوں اس کے یہ علیؑ بھی دوست ہیں!"

ایسا طریقۂ کار کیا کسی انسان کے لئے پسند کیا جاسکتا ہے جو تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہو؟! جواب واضح ہے کہ نہیں! مگر کچھ لوگ رسولؐ خدا پر ایسے بچگانہ فعل کا الزام لگانے سے نہیں شرماتے!۔

(۱۱) علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں

قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن سے علیؑ بن ابی طالب کی خلافت ثابت ہوتی ہے، اس مختصر سے کتابچہ میں ان سب کی فہرست بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ صرف "مباہلہ" کے واقعہ کو دیکھئے جو ۹ ھ میں پیش آیا۔

اس سال نصارائے نجران کے چودہ لیڈروں پر مشتمل ایک وفد پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ان کی پیغمبرؐ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضورؐ سے سوال کیا: "حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟" پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "آج تم لوگ آرام کرو اور اس کے بعد تمہیں جواب دونگا۔"

دوسرے دن سورہ آل عمران کی تین آیتیں ۶۱، ۶۰، ۵۹ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں نازل ہوئیں ۔ جب عیسائیوں نے خدائی فرمان قبول نہیں کیا اور اپنے عقیدے پر مصر رہے تو پیغمبرؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

"فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِين -- جو شخص عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کرے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے تو کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر ہم خدا کی طرف رجوع کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قراردیں۔" (سورت آل عمران، آیت ۶۱)

دوسرے دن ایک طرف سے عیسائی نکلے اور دوسری طرف سے خدا کا نبیؐ اپنے بیت الشرف سے اس طرح برآمد ہوا کہ حسینؑ آغوش میں اور حسنؑ نانا کی انگلی پکڑے ہوئے اور پیغمبرؐ کے پیچھے فاطمہؑ زہراء اور ان کے پیچھے حضرت علیؑ تھے۔ جب نصاریٰ نے ان پانچ نورانی چہروں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم ان سے مباہلہ نہیں کریں گے اور اس کے بجائے انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔

جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت کے مطابق اس آیت میں "ابنائنا" سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہیں، "نسائنا" سے مراد حضرت فاطمہؑ زہراء ہیں اور "انفسنا" سے مراد خود پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا حضرت علیؑ کو اس آیت میں "رسولؐ کا نفس" کہا گیا ہے۔[۴۱]

یہ ناجائز ہے کہ کوئی شخص خود کو پیغمبرؐ سے افضل سمجھے اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ کوئی علیؑ کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائے کیونکہ فرمان الٰہی کے مطابق علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں۔ اب اگر کوئی بھی حضرت علیؑ سے آگے بڑھنے کا خیال دل میں لائے تو یقیناً وہ اتنا جری ہے کہ رسولؐ سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔

(۱۲) چند احادیث

غدیر خم کے اعلان کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا مزید ثبوت پیش کیا جائے۔ پھر بھی اس سلسلے میں چند حدیثیں پیش کی جارہی ہیں :

پہلی حدیث ثقلین ہے جس میں پیغمبرؐ نے فرمایا:

---

۴۱ الواحدی، اسباب النزول، ص ۴۰؛ السیوطی، الدر المنثور، ج ۲، ص ۳۸۔

”انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی، ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابدا وان ھما لن یفترقا حتی یردا علیَّ الحوض -- میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت جو کہ میرے اہل بیت ہیں، اگر تم ان دونوں سے تمسک اختیار کروگے تو کبھی میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔“

ہر شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ حضرت علیؑ نہ صرف یہ کہ اہل بیت میں داخل ہیں بلکہ اہل بیت کے سردار ہیں، لہٰذا تمام محدثین کے نزدیک یہ متفق علیہ حدیث حضرت علی بن ابی طالب کی اطاعت کے وجوب کو ثابت کرتی ہے۔[۴۲]

دوسری: حدیث منزلت ہے۔ جب رجب ۹ھ میں پیغمبرؐ جنگ تبوک کے لئے روانہ ہورہے تھے توآپ نے مدینہ میں حضرت علیؑ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضرت علیؑ نے نہایت حسرت سے یہ کہا کہ: آپ مجھے یہاں کیوں چھوڑرہے ہیں؟ پیغمبرؐ نے فرمایا:

”یا علی! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“[۴۳]

پیغمبرؐ کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو اپنی جگہ نائب بنایا تھا تاکہ وہ ان کی امت کی دیکھ بھال اور نگرانی کریں اسی طرح سے رسولؐ نے بھی حضرت علیؑ کو اپنی جگہ نائب بنایا تاکہ آپ بھی حضورؐ کی امت کی نگرانی فرمائیں اور حضور کی عدم موجودگی میں امت کی رہنمائی کرتے رہیں۔ اس کو حدیث منزلت کہا جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد کفار مکہ کے درمیان سورہ برات کی آیات کی تبلیغ کا موقع آتا ہے۔ اس کام کے لئے پہلے ابوبکر کو حضورؐ نے بھیجا کہ جاؤ اور کفار میں ان آیات کی تبلیغ کرو۔ وہ اس مہم پر روانہ ہوئے۔ اس کے فوراً بعد پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ جاؤ ابوبکر سے وہ سورہ لے کر مکہ میں تم اس کی تبلیغ کرو۔

---

۴۲ یہ حدیث بہت سی کتب احادیث میں دیکھی جاسکتی ہے مثال کے طور پر: صحیح ترمذی، ج ۲، ص ۳۰۸؛ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج ۲، ص ۱۲؛ متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱، ص ۴۸۔

۴۳ ابن ماجہ، سنن، ص ۱۲؛ احمد بن حنبل، المسند، ج ۱، ص ۱۷۴؛ النسائی، خصائص، ص ۱۵-۱۶؛ الطحاوی، مشکل الاثار، ج ۲، ص ۳۰۹؛ محب الدین الطبری، ذخائر العقبی، ص ۶۳۔ [البخاری، صحیح، ج ۵، ص ۴۷، ۴۹۲-۴۹۳۔]

ابو بکر بیچ راستہ سے مدینہ واپس ہوئے اور آکر پیغمبرؐ سے پوچھا کہ کیا میرے خلاف کوئی آیت نازل ہوئی ہے یا خدا کا کوئی حکم آیا ہے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے اور کہا: "اس پیغام کی کوئی تبلیغ نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ میں خود جاؤں یا وہ شخص جائے جو مجھ سے ہو۔"[۴۴]

رسولؐ کے مندرجہ بالا ارشادات کا اخلاقی اصل مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ظاہر ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: "علی مع الحق و الحق مع علی اللّٰھُمَّ ادر الحق معه حیث ما دار -- علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ، خدایا حق کو ادھر موڑ دے جدھر علیؑ مڑیں۔"[۴۵]

خلافتِ حق حقیقت میں علیؑ کے پیچھے پیچھے ہے اور کسی کے ساتھ نہیں جا سکتی۔[۴۶]

اس کے بعد حدیثِ نور ہے۔ سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں لکھتے ہیں کہ سلمان فارسی ناقل ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: "انا و علیٌّ من نورٍ واحدٍ ... -- میں اور علیؑ ایک ہی نور سے حضرت آدمؑ سے چار ہزار سال قبل پیدا کئے گئے، اور جب حضرت آدم کی تخلیق ہوئی تو اس نور کو ان کی پشت میں رکھا گیا۔ ہم ایک ساتھ رہے یہاں تک کہ صلب عبدالمطلب میں آکر ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو میرے اندر نبوت ہے اور علیؑ کے اندر خلافت ہے۔" ریاض الفضائل میں اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ: "پھر خدا نے مجھے نبیؐ بنایا اور علیؑ کو وصی۔"[۴۷]

---

۴۴ السیوطی، الدر المنثور، ج ۶، ص ۲۰۹؛ الطبری، التفسیر، ج ۱۰، ص ۴۷؛ النسائی، الخصائص، ص ۲۰۔

۴۵ الخطیب الخوارزمی، المناقب، ص ۵۶؛ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۳۲۱۔

۴۶ شاہ ولی اللہ دہلوی نے التفہیمات الالھیات میں ائمہ اثنا عشر کے چار فضیلتوں کا ذکر کیا ہے: عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت۔ عصمت کے بیان میں، شاہ صاحب لکھتے ہیں: "...و اذا تمت العصمة کانت افاعیل کلها حقة، لا اقول انها تطابق الحق بل هی الحق بعینها بل الحق امر ینعکس من تلك الافاعیل کالضوء من الشمس. و الیه اشار رسول الله (ص) حیث دعا الله تعالی لعلي: اللّٰهُمَّ ادر الحق معه حیث دار و لم یقل ادره حیث دار الحق - ...اور جب عصمت مسلم ہو جائے تو (معصوم کے) تمام اعمال حق کا مظہر بن جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ حق کے معیار پر اترتے ہیں بلکہ وہ اعمال خود عینِ حق بن جاتے ہیں، بلکہ حق ان اعمال سے منعکس ہوتے ہیں جس طرح سے روشنی سورج سے منعکس ہوتی ہے۔ اور اسی امر کی طرف رسول خدا (ص) کا اشارہ تھا جب انہوں نے اللہ تعالی سے علی کیلئے دعا کی تھی: 'خدایا حق کو ادھر موڑ دے جدھر علیؑ مڑیں،' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ: 'انہیں ادھر موڑ دے جدھر حق مڑے'" التفہیمات الالھیات، ج ۲ (بجنور، یوپی، ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) ص ۲۲۔

۴۷ دیکھیں مفاتیح الغیب، ص ۳۹۶؛ الگنجی الشافعی، کفایۃ الطالب، ص ۱۷۶۔

(۱۳) اولو الامر کا معصوم ہونا ضروری ہے

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا – اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ اور ان صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں، پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی سب سے بہتر اور عمدہ تاویل ہے۔“ (سورت نساء، آیت ۵۹)

اس آیت میں مسلمانوں پر دو اطاعتیں واجب قرار دی گئی ہیں: پہلے اللہ کی اطاعت، دوسرے اس کے رسولؐ اور ان لوگوں کی اطاعت جو کہ ”أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ -- تم میں والیان امر ہوں۔“ اس آیت میں لفظوں کی ترتیب و تنظیم سے یہ بالکل واضح ہوتا ہے کہ ”اولی الامر“ کی اطاعت بالکل اسی طرح واجب ہے جس طرح رسولؐ کی اطاعت واجب ہے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ ”اولی الامر“ کو تمام صفات وصلاحیت میں رسولؐ کے مشابہ ہونا چاہئے ورنہ اللہ اس آیت میں دونوں کی اطاعت کا حکم ایک ساتھ نہ دیتا۔

یہ فیصلہ کرنے سے قبل کہ ”اولی الامر“ کون ہیں، اطاعت رسولؐ کے احکام پر ایک نظر ڈال لینا مفید ہوگا تاکہ یہ معلوم ہو کہ اطاعت رسولؐ کا حکم کس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے اور یہ کہ رسولؐ خدا کے اختیارات کتنے وسیع اور عظیم ہیں۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

”وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ -- اور ہم نے کوئی رسولؐ نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“ (سورہ نساء، آیت ۶۴)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء ومرسلین کی اطاعت اور پیروی لازم ہے اور امت والوں کا یہ منصب نہیں کہ وہ نبی کے ہر ہر فعل کو نگاہ تنقید سے دیکھ کر یہ فیصلہ کریں کہ کون سا عمل قابل اطاعت ہے اور کون سا نہیں۔ اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء ومرسلین ہر قسم کے رجس، گناہ اور غلطی سے مبرّا تھے، ورنہ خدا کبھی بھی امت کو انبیاء ومرسلین کی غیر مشروط اطاعت کا حکم نہ دیتا۔

بہت سی قرآنی آیات میں اللہ نے ہمیں نبیؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللّٰهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ - اے ایمان والو! خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی فرماں برداری کرو۔"[۴۸] پھر خداوند عالم فرماتا ہے "وَمَن یُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ... اور جو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے ..."[۴۹]

اور اسی سورہ میں فرماتا ہے: "مَنْ یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ - جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔"[۵۰]

ان آیتوں میں اور ان کے علاوہ بہت سی آیات میں خدا کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر پیغمبرؐ معصوم اور خطاؤں سے منزہ نہ ہوتے تو ایسی آیات کبھی نہ نازل ہوتیں۔

اب اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں: "وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِماً أَوْ كَفُورًا – اور ان لوگوں میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی پیروی نہ کرنا۔" (سورہ ہل اتی، آیت ۲۴)

اب پوری تصویر نگاہ کے سامنے ہے۔ انبیاء کی اطاعت اور پیروی لازمی طور سے کرنی ہے۔ گنہگاروں کی اطاعت ہرگز نہیں کرنی ہے اور اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انبیاء ہرگز گنہگار اور خطاکار نہیں تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ معصوم، بے گناہ اور منزہ عن الخطا ہیں۔ ذرا تصور کیجئے اگر کوئی نبی اپنے ماننے والوں کو ارتکابِ گناہ اور عصیان کا حکم دیتا تو کیسی ناممکن سی صورت حال پیدا ہوجاتی۔ بے چاری "امت" تو ہر حال میں ہمیشہ خدا کے قہر وغضب کا شکار رہتی : اگر وہ پیغمبرؐ کی اطاعت کرتی اور اس کے حکم سے گناہ کا ارتکاب کرتی تو اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتی اور غضب خدا کی مستحق ہوتی اور اگر نبی کے حکم سے روگردانی کرتی جب بھی اللہ کے حکم (یعنی حکم اطاعتِ رسولؐ) کی خلاف ورزی ہوتی۔ یعنی ایک غیر معصوم نبی امت کو سوائے خدائی قہر وغضب کے اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا تھا۔

اب خاص طور سے پیغمبرؐ اسلام سے متعلق آیات کو دیکھیں۔ اللہ فرماتا ہے:

"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا – اور رسولؐ تم کو جو کچھ دیدیں وہ لے لو اور جس سے منع کردیں، اس سے باز رہو۔" (سورہ حشر، آیت ۷)

اس کے معنی یہ ہوئے کہ پیغمبرؐ کا ہر اَمر اور ہر نہی ہمیشہ خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کا

---

۴۸ سورہ محمد، آیت ۳۳۔ مزید ملاحظہ ہو سورہ آل عمران، آیت ۳۲، ۱۳۲؛ سورہ مائدہ، آیت ۹۲؛ سورہ انفال، آیت ۱، ۲۰، ۴۶؛ سورہ نور، آیت ۵۴، سورہ مجادلہ، آیت ۱۳، سورہ تغابن، آیت ۱۲۔

۴۹ سورہ نساء، آیت ۱۳، ۶۹۔ مزید ملاحظہ ہو سورہ احزاب، آیت ۷۱؛ سورہ فتح، آیت ۱۸۔

۵۰ سورہ نساء، آیت ۸۰۔

پسندیدہ تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ معصوم تھے اس لئے کہ غیر معصوم کے احکام کے بارے میں اتنے تیقن سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی۔

دوسری آیت کہتی ہے: "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ -- اے رسول کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا...۔" (سورہ آل عمران، آیت ۳۱)

یہاں اللہ کی محبت کو پیغمبرؐ اسلام کی اطاعت پر منحصر قرار دیا گیا ہے۔ یہ آیت محبت کے دونوں پہلوؤں کو واضح کرتی ہے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو پیغمبرؐ کی اطاعت کرو، اور اگر تم پیغمبرؐ کی اطاعت کروگے تو خدا بھی تم سے محبت کرے گا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیغمبرؐ کا دامن ہر قسم کے دھبوں سے پاک تھا؟

نہ صرف پیغمبرؐ کے افعال بلکہ ان کے الفاظ بھی حکم خدا تھے۔ خدا فرماتا ہے: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ -- وہ تو اپنی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں، یہ تو اس کی وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔" (سورہ نجم، آیت ۳-۴) یہاں پر ہمیں عصمتِ رسولؐ ناقابلِ تصور بلندترین درجے پر جلوہ فگن نظر آتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں رسولؐ اکرم کے لئے یہ الفاظ خداوند عالم نے استعمال فرمائے ہیں: "رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ -- انہیں میں کا ایک رسول (محمد) جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے، ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں۔" (سورہ جمعہ، آیت ۲؛ بقرہ، آیت ۱۲۹؛ آل عمران، آیت ۱۶۴)

کوئی نبی کس طرح دوسروں کو گناہوں اور آلودگیوں سے پاک کرسکتا ہے اگر وہ خود پاک نہ ہو؟ ایک انسان کسی کو کس طرح عقل کی باتیں بتا سکتا ہے، جب اس کو خود اتنی عقل نہ ہو کہ جس سے صحیح وغلط میں امتیاز کرسکے۔ اس سے بھی بڑھ کر اگر اس کی قوت ارادی ایسی ضعیف ہو کہ جاننے کے باوجود وہ اپنے کو برائی سے نہ بچا سکے؟

رسول اسلام کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ احکام الٰہی کو جانتے تھے۔ آپ کی ذمہ داری تھی کہ امت والوں کو پاک کریں اور ان کو عقل کی باتیں بتاتے تھے، اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ خود عقل اور طہارت پر فائز تھے۔

آپ کے کمالِ اخلاق کی گواہی قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے: "وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ -- اور بیشک تمہارے اخلاق بہت ہی عظیم ہیں۔" (سورہ قلم، آیت ۴) ایک شخص جس سے گناہ سرزد ہونے

کا امکان ہو وہ ایسی تمجید وتوصیف کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

مندرجہ بالا آیات سے دو باتیں بالکل واضح ہوجاتی ہیں:۔

پہلے : پیغمبرؐ کو امت پر جو اختیار حاصل ہے وہ غیر محدود اور ہمہ گیر ہے۔ ان کا دیا ہوا ہر حکم (چاہے وہ کسی حالت میں اور کسی وقت میں ہو) بغیر کسی چوں وچرا کے واجب التعمیل ہے۔

دوسرے : اللہ نے آپ کو ایسا مکمل اختیار اس لئے دیا تھا کہ آپ معصوم تھے اور ہر قسم کی غلطی، خطا اور گناہ سے پاک ومنزہ تھے۔ ورنہ خداوند عالم بغیر کسی قید وشرط کے آپ کے احکام کی اطاعت واجب نہ کرتا۔

اب زیر بحث آیت میں "اولی الامر" کو بعینہٖ وہی اختیار مسلمانوں پر عطا کیا گیا ہے جو "رسولؐ" کو دیا گیا تھا۔ "رسولؐ" اور "اولی الامر" دونوں کو ایک ہی لفظ "اطیعوا" (اطاعت کرو) کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ "اولی الامر" کی اطاعت کا وہی درجہ ہے جو رسولؐ کی اطاعت کا ہے۔

اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ "اولی الامر" کو بھی معصوم اور ہر قسم کی غلطی، خطا اور گناہ سے پاک ومنزہ ہونا چاہئے ورنہ "رسولؐ" کی اطاعت کے ساتھ "اولی الامر" کی اطاعت ایک حکم میں اکٹھا نہ کی جاتی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: "جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اس کی اطاعت نہیں کرنا چاہئے۔ بیشک اطاعت اللہ کی ہوتی ہے اور اس کے رسول کی اور ان کی جو اولی الامر ہیں اور بیشک اللہ نے لوگوں کو رسول کی اطاعت کا حکم اس لئے دیا کہ وہ معصوم اور طاہر تھے جو کبھی لوگوں کو عصیان الٰہی کی طرف نہیں بلاتے تھے اور بیشک اسی اللہ نے لوگوں کو اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا چونکہ وہ معصوم ہیں اور طاہر ہیں اور لوگوں کو خدا کے عصیان کی طرف نہیں بلائیں گے۔"[۵۱]

(۱۴) کیا اولی الامر سے مراد مسلمان حکمران ہیں؟

برادران اہلسنت عام طور سے یہ کہتے ہیں کہ: "اولی الامر منکم" کے معنی یہ ہیں کہ: "جو تم میں سے حاکم ہو" یعنی "مسلمان حکمران۔" یہ تفسیر کسی منطقی استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار اول سے آخر تک تاریخ کے پیچ وخم پر ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت بادشاہوں اور حکام کی غلام بنی رہی ہے اور حکومت وقت کو خوش کرنے کے لئے اسلام اور قرآن کی من مانی تاویل وتشریح کرتی رہی ہے۔

دوسری اقوام وملل کی طرح مسلمانوں کی تاریخ بھی ایسے حکمرانوں کے ذکر سے بھری پڑی

---

۵۱ الصدوق، علل الشرایع، ج ۱، ص ۱۲۳۔

ہے جنہوں نے اپنی عیاشی اور جبر و تشدد سے اسلام کے نام کو رسوا کیا۔ اس کتاب کے آخر میں مختصراً بعض حکمرانوں کا ذکر کیا جائے گا۔ ایسے حکام ماضی میں بھی تھے اور آج بھی ان کی تعداد کم نہیں اور مستقبل میں اور بھی پیدا ہوں گے اور ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہی سب "اولی الامر" ہیں جن کا اس آیت میں تذکرہ ہے!!!

ہم اس جملے کو یہاں پھر سے دوہرائے دیتے ہیں کہ اگر اللہ ہمیں یہ حکم دے کہ ایسے حکمرانوں اور بادشاہوں کی اطاعت کرو تو مسلمانوں کے لئے ایک ناممکن صورت پیدا ہو جائے گی کیونکہ بے چارے امتی خدا کے غضب کا شکار بنتے رہیں گے چاہے وہ کچھ بھی کریں۔ اگر وہ حکام کی اطاعت کریں تو اس حکم الٰہی کی مخالفت کریں گے کہ "گناہگاروں کی اطاعت مت کرو!" اور اگر وہ ان حکمرانوں کی نافرمانی کریں گے تب بھی اللہ کے اس حکم کی نافرمانی ہو گی کہ "مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کرو!"

اس لئے اگر ہم سنیوں کی تفسیر کو قبول کرلیں تو مسلمان بہر حال خدا کے عذاب جاویداں کے مستحق ہو جائیں گے چاہے وہ حکمرانوں کی اطاعت کریں یا نافرمانی کریں۔

مزید یہ کہ دنیا میں مختلف عقائد و نظریات کے مسلمان حکمران پائے جاتے ہیں ان میں شافعی بھی ہیں اور وہابی بھی، حنفی بھی ہیں اور شیعہ اور اباضی بھی۔ اب اس تفسیر کے مطابق جو سنی ایک اباضی سلطان کی حکومت میں ہوں (مثلاً مسقط میں) انہیں اباضی عقیدے کی پیروی کرنی چاہئے اور کسی شیعہ حاکم کے ملک میں ہوں (مثلاً ایران میں) تو انہیں شیعی نظریات اختیار کرنا چاہئے۔ کیا یہ لوگ اپنی تفسیر کی سچائی کے اس حد تک قائل ہیں کہ اس کو اس کے منطقی نتیجے تک لے جائیں اور اس پر قائم رہیں؟!

مشہور سنی مفسر امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر[۵۲] میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ "اولی الامر" کو معصوم ہونا چاہئے، ان کی دلیل یہ ہے کہ "چونکہ خداوند عالم نے یہ حکم دیا ہے کہ 'اولی الامر' کی غیر مشروط اطاعت کرو لہٰذا 'اولی الامر' کو معصوم ہونا چاہئے کیونکہ اگر 'اولی الامر' کے گناہ کرنے کا کوئی امکان ہو تو (جبکہ گناہ ممنوع اور حرام ہے) اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایک مسلمان کو ایک ہی کام میں ان کی پیروی بھی کرنا پڑیگی اور مخالفت بھی اور یہ ناممکن ہے!"

اس کے بعد اپنے قارئین کو اہلبیت رسولؐ سے دور رکھنے کے لئے انہوں نے یہ نظریہ ایجاد کیا ہے "امت مسلمہ" بحیثیت مجموعی معصوم ہے۔

امام رازی کو بہت دُور کی سوجھی۔ کوئی مسلمان عالم اس نظریہ میں ان کا ہمنوا نہیں اور نہ یہ

---

۵۲ فخر الدنی الرازی، تفسیر کبیر، ج ۱۰، ص ۱۴۴۔

تفسیر کسی حدیث پر مبنی ہے۔ حیرت ہے کہ امام رازی امت کی ایک ایک فرد کو علیٰحدہ علیٰحدہ غیر معصوم سمجھتے ہیں اور اس کے باوجود اس کے مجموعے کو معصوم جانتے ہیں۔ یہ بات تو پرائمری اسکول کا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ دو سو گائیں اور دو سو گائیں مل کر چار سو گائیں ہوں گی ایک گھوڑا نہیں ہو گا۔ لیکن سنّیوں کے امام یہ کہتے ہیں کہ سات کروڑ غیر معصوم کے ساتھ دوسرے سات کروڑ غیر معصوم مل جائیں تو ایک معصوم بن جاتا ہے۔ کیا وہ ہمیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اگر دماغی اسپتال کے چار سو مریض ایک جگہ جمع ہوجائیں تو وہ سب مل کر ایک صحیح الدماغ انسان کے برابر ہوجائیں گے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

کہ ازمغز دو صد خر فکر یک انساں نمی آید

یعنی دو سو گدھوں کے دماغ ایک انسان کی فکر پیدا نہیں کرسکتے۔ یہ امام رازی کا علم تھا جس نے انہیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کردیا کہ ”اولی الامر“ کا معصوم ہونا لازمی ہے اور یہ ان کا تعصب تھا جس نے ان کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ وہ معصوم امت اسلامیہ بطور مجموعی ہے۔

مزید بر آں انہوں نے آیت کے لفظ ”مِنْکُمْ“ (تم میں سے) پر توجہ نہیں دی۔ یہ لفظ بتا تا ہے کہ ”اولی الامر“ امت اسلامیہ کا ایک جزو ہو گا پوری امت مسلمہ نہیں ہوگی اور ذرا یہ تو سوچئے کہ اگر پوری امت مسلمہ کی پیروی کی جائے گی تو پھر کون باقی رہ جائے گا جو پیروی کرے گا۔

(۱۵) اولی الامر کے صحیح معنی

اب ہم اس آیہ کریمہ کے صحیح معنی بیان کرتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ایک شخص نے جو اس مجلس میں تھا عرض کیا: ”لوگ کہتے ہیں کہ اپنی کتاب میں خدا نے علیؑ اور ان کے اہل بیتؑ کا نام کیوں نہیں ذکر کیا؟“

امام نے فرمایا: ”ان سے کہو کہ نماز کا حکم آیا لیکن خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تین رکعت یا چار رکعت بلکہ یہ رسول اللہ تھے جنہوں نے تمام تفصیلات کو بیان کیا۔ اور زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا لیکن اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر چالیس درہم مین ایک درہم زکوٰ ۃ ہے، یہ رسول اللہ تھے جنہوں نے اس کی تشریح کی۔ اور حج کا حکم دیا گیا لیکن اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ سات مرتبہ طواف کیا جائے، یہاں تک کہ رسول اللہ نے اس کو بیان فرمایا۔ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی جس میں خدا نے فرمایا: ’اطیعوا اللہ واطیعوا لرسول واولی الامر منکم ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور ان صاحبان امر کی اطاعت کرو

جو تم ہی میں سے ہیں' اور یہ آیت حضرت علی، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔"[۵۳]

کفایۃ الاثر میں جابر بن عبداللہ الانصاری کی ایک روایت اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جابر نے پیغمبرؐ سے عرض کیا: ہم اللہ کو جانتے ہیں اور اس کے رسولؐ کو جانتے ہیں مگر وہ صاحبان امر کون ہیں جن کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اور آپ کی اطاعت کے ساتھ ملا دیا ہے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا: "وہ میرے بعد میرے خلیفہ اور مسلمانوں کے امام ہیں، ان میں سے پہلے علی ہیں، پھر حسن پھر حسین پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی ہیں جن کا نام توریت میں باقر ہے۔ اے جابر تم ان سے ملاقات کروگے، جب ان سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام پہنچا دینا، ان کے جانشین ان کے فرزند جعفر صادق ہوں گے، پھر موسی بن جعفر، پھر علی بن موسیٰ، پھر محمد بن علی، پھر علی بن محمد، پھر حسن بن علی ہوں گے۔ حسن بن علی کے جانشین ان کے فرزند ہوں گے جن کا نام میرا نام، کنیت میری کنیت ہوگی اور وہ روئے زمین پر حجت خدا اور لوگوں کے درمیان بقیۃ اللہ ہوں گے (یعنی خدا انہیں دین کے تحفظ کے لئے محفوظ رکھے گا) وہ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام عالم کو فتح کریں گے۔ وہ اپنی پیروی کرنے والوں اور دوستوں کی نظر سے اتنے طویل عرصہ تک پوشیدہ رہیں گے کہ ان کی امامت کا عقیدہ صرف انہیں دلوں میں باقی رہ جائے گا کہ جن کا اللہ نے ایمان کے سلسلے میں امتحان لے لیا ہوگا۔"

جابر نے پوچھا: اللہ کے رسولؐ! کیا ان کے اوپر ایمان لانے والے ان کی غیبت میں ان سے فیضیاب ہوں گے؟

پیغمبرؐ نے فرمایا: "ہاں! اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبوت عطا کی، لوگ ان کی غیبت میں ان کی روشنی سے ہدایت پائیں گے اور ان کی ولایت ومحبت سے فیضیاب ہوں گے بالکل اسی طرح جس طرح لوگ جب آفتاب چھپ جاتا ہے تب بھی اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

"اے جابر! یہ بات خدا کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے اور اللہ کے علم مخزون میں سے ہے اس لئے اس کو سوائے اس کے اہل کے اور کسی سے مت بیان کرو۔"[۵۴]

یہ حدیث شیعوں کی کتاب میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ سنیوں کی احادیث میں اتنی تفصیلات نہیں پھر بھی سنیوں کی بہت سی روایتیں ایسی ہیں کہ جن میں اماموں کا ذکر مجمل طور پہ ملتا

---

۵۳ عیاشی سمرقندی، تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۲۴۹-۲۵۰؛ محسن فیض کاشانی، تفسیر صافی، ج ۱، ص ۲۶۴۔

۵۴ علی الخزاز الرازی، کفایۃ الاثر، (مطبوعہ قم ۱۹۸۱ء)، ص ۵۳۔

ہے جن میں سے بعض کا ذکر ہم آئندہ باب میں کریں گے۔

ظاہر ہے کہ اس کے بعد ظالم وجابر حکمرانوں کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ہرگز یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کی اطاعت کریں جو ممکن ہے ظالم وجابر اور جاہل، خود غرض، حرص وہوس کے غلام ہوں، حقیقت میں ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ معین ومعلوم بارہ اماموں کی اطاعت کریں جو سب کے سب معصوم تھے اور جن کے خیالات وافعال برائیوں سے پاک ومنزہ تھے ان کی اطاعت سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ ان کی اطاعت ہر قسم کے خطروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ وہ مرضئ خدا کے خلاف کوئی حکم دے ہی نہیں سکتے اور تمام بنی نوع انسان سے انصاف ومحبت اور برابری کا سلوک کرنے والے ہیں۔

(۱۶) بارہ خلیفہ یا امام

اب حافظ سلیمان بن ابراہیم قندوزی حنفی شیخ الاسلام قسطنطنیہ (متوفی ۱۲۹۴ھ) کی مشہور کتاب ینابیع المودة کا ۷۷واں باب ملاحظہ ہو:

موصوف نے اولاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور صحیح ترمذی سمیت بہت سی دوسری کتابوں سے رسول خدا صلعم کی مشہور حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔"

اس کے بعد بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "میں اور علی اور حسن اور حسین اور حسین کی ذریت میں سے نو (حضرات) پاک وپاکیزہ اور معصوم ہیں۔" نیز یہ حدیث درج کی ہے کہ جس میں رسول اکرم صلعم نے امام حسینؑ سے فرمایا: "تم سردار ہو، سردار کے بیٹے ہو اور سردار کے بھائی ہو، تم امام ہو، امام کے فرزند ہو، امام کے بھائی ہو، تم حجت ہو، حجت کے فرزند ہو اور حجت کے بھائی ہو اور نو حجتوں کے باپ ہو کہ نواں ان میں سے مہدی قائم ہے۔"

ایسی بہت سی حدیثوں کو درج کرنے کے بعد حافظ قندوزی تحریر فرماتے ہیں:

"محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث (کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے بارہ خلیفہ ہوں گے) مشہور ہیں اور بہت سے اسناد سے مروی ہیں۔ اب مرور زمانہ کے ساتھ اور واقعات تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے ہم کو معلوم ہوگیا کہ ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بارہ اماموں کو مراد لیا ہے جو آپ کے اہلبیتؑ میں آپ کی ذریت سے ہوئے ہیں۔

"اس حدیث کو ان چار خلفاء راشدین پر محمول نہیں کیا جاسکتا جو آپ کے بعد آپ کے اصحاب

میں سے ہوئے تھے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے کم ہے۔

”اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اس حدیث کو اموی بادشاہوں پر منطبق کیا جائے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے اور (ایک عمر بن عبدالعزیز کے سوا) وہ سب کے سب ظالم وجابر تھے، اس کے علاوہ وہ بنی ہاشم میں سے نہیں تھے جبکہ آنحضرت صلعم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ سب کے سب بنی ہاشم میں سے ہوں گے۔

”نیز اس حدیث سے بنی عباس کے بادشاہوں کو مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اولاً تو ان کی تعداد بارہ سے بہت زیادہ تھی، دوسرے انہوں نے آیت مودة فی القربیٰ اور حدیث کساء کے مقتضیات کی کھلی خلاف ورزی کی۔ (علامہ قندوزی کا مقصد یہ ہے کہ بنی عباس نے بھی بنی امیہ کی طرح آل رسول پر مظالم کئے)۔

”اب اس حدیث کی تفسیر وتشریح کی ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ یہ تسلیم کرلیاجائے کہ یہ حدیث ان بارہ اماموں کی طرف اشارہ کررہی ہے جو رسول صلعم کے اہل بیتؑ میں اور آپ کی ذریت میں تھے کیونکہ یہ حضرات اپنے اپنے زمانے میں تمام افراد سے زیادہ عالم، سب سے زیادہ بافضیلت، سب سے زیادہ خدا ترس اور متقی اور نسب کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ تھے اور ذاتی فضیلتوں میں سب سے بڑھ کر اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت تھے۔ نیز ان حضرات کے علوم ان کے مورث اعلیٰ (یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سرچشمہ سے (اپنے آباء طاہرین کے واسطے سے) بذریعۂ وراثت حاصل ہوئے ہیں ۔ نیز براہ راست خدائی تعلیم پر (یعنی بذریعۂ الہام) مبنی ہیں۔

”اس بات کو اہل علم وتحقیق اور اہل کشف وتوفیق جانتے ہیں اور اس مطلب کی تائید کرتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بارہ اماموں کو مراد لیا ہے جو آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ اس بات پر گواہ حدیث ثقلین اور وہ دیگر احادیث ہیں جو اس کتاب اور دیگر کتب میں باربار مذکورہوچکی ہیں۔“[۵۵]

(۱۷) بارہ اماموں کے متعلق کچھ تفصیلات

پہلے امام: امیرالمومنین ابوالحسن، علی المرتضیٰ بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

ولادت: ۱۳؍رجب دس سال قبل بعثت نبوی مطابق ۶۰۰ء کو خانہ کعبہ کے اندر ہوئی اور آپ بتاریخ

---

۵۵ ینابیع المودة، باب ۷۷، ص ۴۴۴-۴۴۷.

۲۸/صفر ۱۱ھ (مطابق ۶۳۲ء) کو پیغمبرؐ کی وفات پر امام ہوئے۔

شہادت: اور مسجد کوفہ میں نماز کی حالت میں ابن ملجم کی زہر آلود تلوار کی ضربت سے زخمی ہوئے اور اس کے دو دن بعد ۲۱/رمضان ۴۰ھ (۶۶۱ء) کو دنیا سے رحلت فرمائی، نجف اشرف (عراق) میں دفن ہوئے۔

دوسرے امام: ابو محمد الحسن المجتبیٰ بن علی علیہم السلام ہیں۔

ولادت: ۱۵/رمضان ۳ھ (۶۲۵ء) مدینہ۔

شہادت: ۷/یا ۲۸/صفر ۵۰ھ (۶۷۰ء) کو زہر سے مدینہ میں ہوئی۔

تیسرے امام: سید الشہداء ابوعبداللہ الحسین بن علی علیہم السلام ہیں۔

ولادت: ۳/شعبان ۴ھ (۶۲۶ء) کو مدینہ میں ہوئی۔

شہادت: آپ اپنی اولاد اور اعزاء واقارب اور اصحاب کے ساتھ ۱۰/محرم ۶۱ھ (۱۰/۱۰/۶۸۰ء) کو کربلا (عراق) میں شہید ہوئے۔ آپ اور آپ کے بڑے بھائی حسن مجتبیٰ علیہم السلام حضرت فاطمہؑ زہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند تھے۔

چوتھے امام: ابومحمد علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام:

ولادت: ۵/شعبان ۳۶ھ (۶۵۹ء)

شہادت: بوسیلہ زہر ۲۵/محرم ۹۴ھ یا ۹۵ھ (۷۱۲ء یا ۷۱۳ء) مدینہ۔

پانچویں امام: ابوجعفر محمد الباقر بن علی زین العابدین علیہ السلام:

ولادت: یکم/رجب ۵۷ھ (۶۷۷ء) مدینہ

شہادت: بوسیلہ زہر ۷/ذی الحجہ ۱۱۴ھ (۷۳۳ء) مدینہ۔

چھٹے امام: ابوعبداللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر علیہ السلام:

ولادت: ۱۷/ربیع الاول ۸۳ھ (۷۰۲ء) مدینہ

شہادت: بوسیلہ زہر ۲۵/شوال ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) مدینہ۔

ساتویں امام: ابوالحسن الاول موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق علیہ السلام:

ولادت: مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر واقع بمقام الابواء ۷/صفر ۱۲۹ھ (۷۴۲ء)

شہادت: ۲۵/رجب ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) کو ہارون رشید عباسی کے زہر سے قید خانہ بغداد میں ہوئی اور بغداد سے قریب کاظمین میں دفن ہوئے۔

آٹھویں امام: ابوالحسن الثانی علی الرضابن موسیٰ الکاظم علیہ السلام:

ولادت: مدینہ ۱۱/ذی القعدہ ۱۴۸ھ (۷۶۵ء)

شہادت: بوسیلہ زہر ۱۷/صفر ۲۰۳ھ (۸۱۸ء) مشہد، خراسان، ایران۔

نویں امام: ابوجعفر الثانی محمد التقی الجواد بن علی الرضا علیہ السلام:

ولادت: ۱۰/رجب ۱۹۵ھ (۸۱۱ء) مدینہ

شہادت: ذریعہ زہر ۳۰/ذی القعدہ ۲۲۰ھ (۸۳۵ء)

مدفن: آپ اپنے جد امجد کے پہلو میں کاظمین میں دفن ہوئے۔

دسویں امام: ابوالحسن الثالث علی النقی الہادی بن محمد التقی علیہ السلام:

ولادت: ۵/رجب ۲۱۲ھ (۸۲۷ء) مدینہ

شہادت: ذریعہ زہر ۳/رجب ۲۵۴ھ (۸۶۸ء) سامراء، عراق۔

گیارہویں امام: ابومحمد الحسن العسکری بن علی النقی علیہ السلام:

ولادت: ۸/ربیع الثانی ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) مدینہ

شہادت: بذریعہ زہر ۸/ربیع الاول ۲۶۰ھ (۸۷۴ء) سامراء، عراق۔

بارہویں امام: ابوالقاسم محمد المہدی بن الحسن العسکری عجل اللہ فرجہ:

آپ ۱۵/شعبان ۲۵۵ھ (۸۶۹ء) کو سامرا (عراق) میں پیدا ہوئے۔ آپ ہمارے موجودہ امام ہیں۔ آپ نے ۲۶۰ھ میں غیبت صغریٰ اختیار کی جو ۳۲۹ھ تک جاری رہی، اس کے بعد غیبت کبریٰ

شروع ہوئی جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ آپ اس وقت ظہور فرمائین گے جب خدا کا حکم ہو گا کہ آپ ظاہر ہو کر تمام روئے زمین پر حکومت الٰہیہ قائم کریں اور اس دنیا کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دینگے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہو گی۔

آپ کے القاب ہیں:

القائم: یعنی وہ ہستی جو زمین پر حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے قیام فرمائیں گے۔

حجت: یعنی مخلوقات پر خدا کی دلیل۔

صاحب الزماں: موجودہ زمانے کے حاکم۔

صاحب الامر: خدا کی طرف سے اختیارات کے حامل۔

* * * * *

تیسرا حصّہ

اہلسنت کا نقطہ نظر

(۱۸) سنی نظریۂ خلافت

کلامی نقطۂ نظر سے آج کل زیادہ تر سنی حضرات اشعری عقیدے کے پیرو ہیں۔ اشاعرہ اور معتزلہ یہ کہتے کہ امامت اور خلافت کا قائم کرنا واجب ہے لیکن یہ امت کا فرض ہے کہ وہ ایک خلیفہ مقرر کرے۔ مگر دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ معتزلی یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کا تعین عقلاً واجب ہے اور اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث کی رو سے واجب ہے۔

نسفی اپنے عقائد میں لکھتے ہیں کہ: "مسلمانوں کے امور بغیر ایک امام کے انجام نہیں پاسکتے۔ ایسا امام جو احکام اسلامی وحدود خداوندی کو نافذ کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، فوج کو مرتب کرے، صدقات وخیرات اور زکوٰۃ وصول کرے، رہزنوں، چوروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرے، نماز جمعہ اور عیدین کو قائم کرے، لوگوں کے درمیان جھگڑوں اور تنازعات میں گواہیاں سنے اور فیصلہ کرے اور ایسے نابالغ بچوں کی ولایت کرے جن کا کوئی والی نہ ہو اور مال غنیمت تقسیم کرے۔"[1]

"اہلسنّت حضرات دنیوی حکمراں چاہتے ہیں .... جبکہ شیعہ ایک ایسی ذات چاہتے ہیں جو روئے زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرے اور دنیا سے تمام برائیوں کو ختم کردے۔"[2]

اہلسنت کے عقیدے کے مطابق خلیفہ کا تعین مندرجہ ذیل چار طریقوں میں سے کسی ایک ذریعے سے ہوسکتا ہے۔

الف۔ اجماع: یعنی اہل حل و عقد (وہ لوگ جو اس پوزیشن میں ہوں کہ لوگ ان کا فیصلہ مان لیں) کا بحیثیت مجموعی توافق۔ اس میں امت کے تمام افراد کی موافقت ضروری نہیں اور نہ ہی تمام اربابِ حل وعقد کا توافق حاصل کرنا لازم ہے۔

ب۔ استخلاف: یعنی سابق خلیفہ اپنے جانشین کو نامزد کرے۔

ج۔ شوری: یعنی ایک کمیٹی ہو جو خلیفہ کا تقرر کرے۔

د۔ قہروغلبہ: یعنی کوئی شخص بھی فوجی طاقت سے خلافت پر قبضہ کرلے تو وہ خلیفہ ہوجائے گا۔

شرح المقاصد میں ہے کہ: "اگر ایک امام کا انتقال ہوجائے اور دوسرا شخص جو خلافت کی اہلیت رکھتا ہو وہ خلافت کا دعویٰ کرے (اگرچہ اس کی بیعت نہ کی گئی ہو اور نہ ہی خلیفۂ سابق نے اس کی نامزدگی کی ہو) تو اس کا دعوائے خلافت مان لیا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنی طاقت سے لوگوں کو مغلوب

---

۱ التفتازانی، شرح العقائد النسفة (مطبوعہ استنبول ۱۳۲۵ھ) ص ۱۸۵۔

۲ یہ تبصرہ William Miller کا ہے جس نے فاضل مقداد کی شرح باب الحادی عشر کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ طرفین کے عقائد کو دیکھنے کے بعد اس نے ص ۹۸ کے حاشیہ میں یہ تبصرہ لکھا ہے۔

کرلے اور بہ ظاہر یہ حکم اس وقت بھی جاری ہوگا جب کہ نیا خلیفہ جاہل یا بدکردار ہو۔ اسی طرح جب کوئی خلیفہ اپنی خلافت قوتِ قاہرہ کے ذریعے قائم کرے اور دوسرا شخص اسے مغلوب کرے تو یہ مغلوب خلیفہ معزول ہوجائے گا اور غالب کو امام اور خلیفہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے گا۔"[۳]

(۱۹) شرائطِ خلافت

اہلسنت کے عقیدے کے مطابق خلیفہ میں دس شرائط پائی جانی چاہئیں:

۱۔ بالغ ہو،

۲۔ عاقل ہو،

۳۔ آزاد ہو، غلام نہ ہو،

۴۔ مرد ہو، عورت نہ ہو،

۵۔ جہاد کرسکتا ہو اور فنون حرب وضرب سے واقف ہو،

۶۔ شجاع ہو،

۷۔ عوام کی رسائی اس تک ہوسکے یعنی وہ پوشیدہ نہ ہو،

۸۔ مسلمان ہو،

۹۔ عادل ہو،

۱۰۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، مسائل شرعیہ میں اپنا فتویٰ دے سکے یعنی مجتہد ہو۔[۴]

مگر آخری دونوں شرطیں صرف کاغذی ہیں، اس لئے کہ اس سے پہلے کی فصل میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ "ایک جاہل وبدکردار آدمی خلیفہ ہوسکتا ہے۔" لہٰذا ایک خلیفہ کے لئے "عدل وانصاف اور اجتہاد" کی شرائط دعویٰ ہی دعویٰ ہیں۔

ان کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ کے لئے عصمت کی شرط نہیں۔ اس عقیدے کی تائید میں خود حضرت ابوبکر کا قول نقل کیا جاتا ہے جو انہوں نے اصحابِ رسولؐ کے مجمع میں منبر سے بیان کیا تھا:

"لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں اگرچہ میں تم سے بہتر نہیں، لہٰذا اگر میں اپنے فرائض ٹھیک سے انجام دوں تو میری مدد کرو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردینا، حقیقت

---

۳ سعد بن مسعود بن عمر التفتازانی، شرح مقاصد الطالبیین، ج ۲ (مطبوعہ استنبول، ۱۳۰۵ھ) ص ۲۷۲۔

۴ التفتازانی، شرح العقائد النسفیة۔

میں میرے لئے ایک شیطان ہے جو کبھی کبھی مجھ پر مسلّط ہوجاتا ہے۔ تو اگر میں غصے میں رہوں تو مجھ سے دور رہنا۔"[۵]

علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں کہ: "ایک خلیفہ کو اس کی بدکرداری یا ظلم و جور کی بناء پر معزول نہیں کیا جاسکتا۔"[۶]

(۲۰) حضرت ابو بکر کی خلافت کیسے قائم ہوئی

مندرجۂ بالا اصول کسی آیت یا حدیث سے نہیں اخذ کئے گئے بلکہ یہ نظریات ان واقعات اور حوادث پر مبنی ہیں جو رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔

اہلسنّت کے عقائد کے مطابق پہلے چار خلفاء "خلفائے راشدین" کہے جاتے ہیں۔ یعنی جنہیں صحیح رشدوہدایت حاصل تھی۔ اب ذرا اِس پر غور کرتے چلیں کہ پہلی خلافتِ راشدہ کس طرح قائم ہوئی۔

جب رسولؐ اللہ نے وفات پائی تو جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی، مدینہ کے کچھ مسلمان، جنہیں انصار کہا جاتا ہے، سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ (صاحب غیاث اللغات رقمطراز ہیں کہ: "یہ ایک خفیہ مقام تھا جہاں عرب ناپسندیدہ کاروائیوں کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔"[۷]) وہاں پر سعد بن عبادہ کو، جو بیمار تھے، ایک کرسی پر بٹھاکر اور کمبل اوڑھا کر لایا گیا تاکہ ان کو خلیفہ منتخب کیا جاسکے۔ سعد نے اس مجمع میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے انصار کی خوبیاں اور فضائل گنوائے اور مجمع سے کہا تم اس خلافت پر قبضہ کرو قبل اس کے کہ کوئی دوسرا اِسے لے لے۔ انصار نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ وہ خود سعد کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور ایک دوسرے سے یہ کہنے لگا کہ: اگر قریش نے مخالفت کی اور وہ خود خلافت کے دعوے دار ہوئے تو ہم انہیں کیا جواب دیں گے؟!

ایک گروہ نے کہا: ہم ان سے یہ کہیں گے کہ "منا امیر ومنکم امیر! ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔" سعد نے کہا: یہ پہلی کمزوری ہے جو تم نے دکھائی ہے۔

کسی نے حضرت عمر کو اس اجتماع کی خبر دی اور کہا کہ: اگر حقیقت میں تم حکومت کی عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو سقیفہ پہنچ جاؤ قبل اس کے کہ معاملہ آگے بڑھ جائے، ورنہ تمہارے لئے مشکل ہوجائے گا

---

۵ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۷۱۔

۶ التفتازانی، شرح العقائد النسفتہ۔

۷ غیاث الدین، غیاث اللغات (لکھنؤ، مطبع نول کشور، ۱۸۶۷ء) ص ۲۲۸۔

کہ جو کچھ وہاں کیا جارہا ہے اس کو تم مٹا سکو۔ یہ سنتے ہی عمر نے ابوبکر کو ساتھ لیا اور تیزی سے سقیفہ کی جانب روانہ ہوئے اور ساتھ میں ابوعبیدہ کو لے لیا۔

طبری، ابن اثیر، ابن قتیبہ[۸] اور دیگر مؤرخین لکھتے ہیں کہ: ابوبکر وعمر اور ابوعبیدہ سقیفہ میں پہنچ کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ثابت بن قیس نے کھڑے ہو کر انصار کے فضائل بیان کرنا شروع کئے اور یہ تجویز پیش کی کہ خلافت انصار میں سے کسی کو ملنا چاہئے۔ روایت کے مطابق عمر بعد میں کہا کرتے تھے کہ: ”انصار کے مقرّر نے جب اپنی تقریر ختم کی تو میں بھی کچھ بولنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے اس وقت بہت عمدہ نکات سوچ لئے تھے مگر ابوبکر نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور میں چپ رہا۔ ابوبکر فصاحت اور علم میں مجھ سے بہتر تھے۔ انہوں نے ارتجالاً انہیں نکات کو بیان کیا جو میرے ذہن میں تھے اور ان کو مجھ سے بہتر طریقے سے بیان کیا۔“

روضۃ الصفا کے مطابق ابوبکر نے سقیفہ کے مجمع کو اس طرح مخاطب کیا: ”اے گروہ انصار! ہم تمہارے اوصاف اور خوبیوں کے معترف ہیں۔ ہم ابھی تک تمہاری ان کوششوں اور مجاہدات کو بالکل نہیں بھولے جو اسلام کی نشرواشاعت میں تم نے انجام دئے ہیں مگر عربوں میں قریش کو جو عزت واحترام حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے اور عرب قریش کے علاوہ کسی اور کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے نہیں ہیں۔“[۹]

سیرت حلبیہ میں اتنا اضافہ اور ہے کہ: ”بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ہم مہاجرین نے اسلام لانے میں سبقت کی تھی۔ پیغمبرؐ اسلام ہمارے قبیلے سے تھے، ہم رسولِؐ خدا کے قرابت دار ہیں ... لہٰذا ہم ہی وہ ہیں کہ جو خلافت کے حقدار ہیں ... لہٰذا مناسب یہی ہے کہ خلافت ہمارے درمیان رہے اور تم لوگ (یعنی انصار) وزارت لے لو اور ہم کوئی کام بغیر تمہارے مشورہ کے نہیں کریں گے۔“[۱۰]

دونوں گروہوں میں بڑی گرماگرم بحثیں شروع ہوگئیں، اسی اثناء مین عمر چیخ پڑے: ”خدا کی قسم اب جو ہماری مخالفت کرے گا میں اسے قتل کردونگا۔“ حباب ابن منذر بن زید انصاری خزرجی نے انہیں للکارا: ”خدا کی قسم ہم کسی کو برداشت نہیں کریں گے کہ وہ بحیثیت خلیفہ ہمارے اوپر حکومت کرے۔ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے۔“ ابوبکر نے کہا: ”نہیں یہ نہیں ہوسکتا، یہ ہمارا حق ہے کہ ہم خلیفہ ہوں اور تمہارا حق ہے کہ تم وزیر بنو۔“ حباب نے کہا: ”اے انصار! تم ان

۸ الطبری، تاریخ، ج ۴، ص ۱۸۲۰؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲ (مطبوعہ ٹورنبرگ، بریل) ص ۳۲۵؛ ابن قتیبہ، الإمامة و السياسة، ج ۱ (مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء) ص ۱۸۔
۹ محمد بن خاوند شاہ، روضۃ الصفا، ج ۲ (لکھنؤ نول کشور پریس) ص ۲۲۱۔
۱۰ الحلبی الشافعی، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳ (مطبوعہ بیروت) ص ۳۵۷۔

لوگوں کے کہنے میں بالکل مت آنا، ثابت قدم رہنا... خدا کی قسم اگر اس وقت کسی نے میری مخالفت کی جرات کی تو میں اپنی اس تلوار سے اس کی ناک کاٹ لوں گا۔" اس پر عمر نے کہا کہ: "خدا کی قسم خلافت میں دو عملی نہیں چل سکتی، ایک مملکت میں دو بادشاہ نہیں ہوسکتے اور عرب تمہاری خلافت کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ رسولؐ تمہارے قبیلے میں سے نہیں تھے۔"

طبری اور ابن اثیر دونوں نے لکھا ہے کہ حباب اور عمر کے درمیان اس پر خوب بحث ہوئی۔ عمر نے حباب کو کوسا کہ: "خدا تمہیں قتل کرے۔" حباب نے بھی کہا: "اللہ تمہیں قتل کرے۔"

عمر مجمع کو چیرتے ہوئے سعد بن عبادہ کے سر پر جاکر کھڑے ہوگئے اور ان سے کہا: "ہم تمہیں کچل دیں گے یہاں تک کہ تمہارا ہر عضو بدن چور ہوجائے گا۔" اس دھمکی سے غضبناک ہو کر سعد کھڑے ہوگئے اور عمر کی ڈاڑھی پکڑلی۔ اس پر عمر نے کہا: "دیکھو اگر میری داڑھی کا ایک بال بھی ٹوٹا تو تم دیکھو گے کہ پھر تمہاری خیر نہیں ہوگی۔" اس وقت ابوبکر نے عمر کو نرمی اور سکون کی تلقین کی۔ عمر نے سعد کی طرف سے اپنا منھ پھیرلیا۔ اس وقت سعد یہ کہہ رہے تھے "خدا کی قسم اگر اس وقت مجھ میں کھڑے ہونے کی طاقت ہوتی تب تم دیکھتے کہ مدینہ کی ہر گلی کوچے سے شیروں کے دہاڑنے کی آوازیں آتیں۔ اور تم سوراخوں میں دبک جاتے، خدا کی قسم، ہم تمہیں دوبارہ انہیں لوگوں میں پہنچادیتے جن کے درمیان تم رعایا تھے، کبھی حاکم نہیں رہے۔"

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ جب قبیلہ "اوس" کے سردار بشیر بن سعد نے یہ دیکھا کہ تمام انصار قبیلہ "خزرج" کے سردار سعد بن عبادہ کی حمایت کررہے ہیں تو انہوں نے حسد میں آکر مہاجرین قریش کی حمایت شروع کردی۔

اسی چیخ پکار میں عمر نے ابوبکر سے کہا: "ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔" ابوبکر نے کہا: "نہیں، تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہاری بیعت کروں، کیونکہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور اور خلافت کے لئے زیادہ موزوں ہو۔" مگر عمر نے بڑھ کر ابوبکر کا ہاتھ کھینچا اور یہ کہتے ہوئے ان کی بیعت کرلی کہ آپ کی صلاحیت اور بزرگی کے سامنے میری طاقت کی کوئی حیثیت نہیں اور اگر اس کی کوئی اہمیت ہے تو میری طاقت آپ کی صلاحیت سے مل کر خلافت کا کاروبار اچھی طرح چلائے گی۔ بشیر بن سعد نے بھی ان کی پیروی کی اس پر خزرج والوں نے چیخ کر کہا کہ تم سعد بن عبادہ کے حسد میں یہ حرکت کررہے ہو۔ پھر قبیلہ اوس کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اگر سعد بن عبادہ خلیفہ ہوگئے تو پھر ہمیشہ کے لئے قبیلۂ خزرج کے لوگ قبیلۂ اوس سے خود کو افضل سمجھیں گے اور پھر اوس کے لوگوں کو کبھی یہ عہدہ نہیں ملے گا۔ اس لئے قبیلہ اوس کے تمام حاضرین نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی۔ اسی اثناء

میں قبیلہ خزرج کے کسی شخص نے تلوار کھینچ لی لیکن لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔

جب سقیفہ میں یہ ہنگامے ہورہے تھے اس وقت حضرت علیؑ اور آپ کے دوست رسولؐ خدا کے غسل وکفن میں مصروف تھے۔ جب حضرت علیؑ کو رسولؐ خدا کی تجہیز و تکفین سے فرصت ملی تو معلوم ہوا کہ ابوبکر کی خلافت کے تمام مراحل طے ہوچکے ہیں۔

ابن قتیبہ کے الفاظ میں ”جب ابوبکر خلیفہ ہوگئے تو لوگ حضرت علیؑ کو کشاں کشاں ابوبکر کے پاس لے گئے حالانکہ حضرت علیؑ یہ کہتے رہے کہ ’میں خدا کا بندہ ہوں اور رسولؐ خدا کا بھائی ہوں۔‘ حضرت علیؑ سے یہ کہا گیا کہ وہ ابوبکر کی بیعت کریں! حضرت علیؑ نے فرمایا: ’تم میں سے ہر ایک سے زیادہ میں خلافت کا حقدار ہوں، میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا۔ حقاً اور انصافاً تمہیں ہماری بیعت کرنی چاہئے۔ تم نے انصار سے کہا کہ وہ اس لئے تمہاری بیعت کریں کہ رسولؐ سے تمہارا خون کا رشتہ ہے، اس کے باوجود تم رسولؐ کے گھر والوں سے خلافت چھین رہے ہو۔ کیا تم نے انصار کے سامنے یہ دلیل نہیں پیش کی کہ تم انصار سے زیادہ خلافت کے حقدار ہو کیونکہ تم رسولؐ کے ہم قبیلہ ہو۔ انصار نے بھی حکومت تمہارے حوالے کردی اور تمہاری خلافت کو تسلیم کرلیا، لہٰذا میں بھی تمہارے سامنے وہی استدلال پیش کررہا ہوں جو تم نے انصار کے سامنے کیا تھا ہمارا رشتہ رسولؐ کے ساتھ موت اور حیات دونوں حالت میں جتنا قریب ہے تم میں سے کسی کا نہیں۔ اگر تم اپنے استدلال میں مخلص تھے تو انصاف کرو ورنہ یہ سمجھ لو کہ تم جان بوجھ کر ظلم وعدوان کی طرف بڑھ رہے ہو۔‘ عمر نے کہا: ’جب تک تم بیعت نہیں کروگے ہم تمہیں نہ چھوڑیں گے۔‘ حضرت علیؑ نے کہا: ’تھن تمہارے ہاتھ میں ہے جتنا چاہے دودھ نکال لو اور جتنا ممکن ہو آج اس حکومت کو مستحکم اور مضبوط کرلو کیونکہ کل یہ اس کو تمہارے سپرد کریں گے۔ اے عمر! میں تمہاری بات بالکل نہیں سنوں گا اور نہ ہی ان کی بیعت کروں گا۔‘ آخر کار ابوبکر بولے : ’علیؑ! اگر تم میری بیعت نہیں کرنا چاہتے تو میں تمہیں مجبور بھی نہیں کرتا۔‘“

(۲۱) مندرجہ بالا واقعات کا ایک مختصر جائزہ

مندرجہ بالا واقعات کے چند پہلو خاص توجہ کے مستحق ہیں:

۱۔ عربوں کا دستور تھا کہ اگر ایک چھوٹا سا گروہ بھی کسی کو قبیلے کا سردار چن لے تو دوسرے لوگ اس کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور خواہی نخواہی اس کو مان لیتے تھے اور یہی رواج پیغمبرؐ کے چچا عباس کے ذہن میں تھا جب انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا: ”اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں

تمہاری بیعت کرلوں ... کیونکہ اگر ایک مرتبہ کسی نے اس چیز کو لے لیا تو پھر کوئی اس سے یہ نہیں کہتا کہ اسے چھوڑدو۔" اور یہی وہ رواج تھا جس کی وجہ سے سعد نے انصار سے کہا: "اس خلافت کو لے لو قبل اس کے کہ کوئی دوسرا اسے لے لے۔" اور اسی رواج کی وجہ سے عمر سے یہ کہا گیا کہ سقیفہ پہنچو قبل اس کے کہ معاملہ آگے بڑھ جائے اور پھر وہاں جو کچھ کیا جارہا ہے اس کو مٹانا مشکل ہوجائے، اور اسی رسم ورواج کا نتیجہ تھا کہ جب ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ مان لیا تو مدینہ کے مسلمانوں کی اکثریت نے اسے تسلیم کرلیا۔

۲۔ حضرت علیؑ عربوں کے اس رواج سے بخوبی واقف تھے، پھر کیوں انہوں نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا کہ عباس بیعت کریں، بلکہ یہ جواب دیا کہ دوسرا کون ہے جو لوگوں سے بیعت طلب کرسکے؟[11]

اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ یہ رسولؐ کی خلافت ہے، قبیلے کی سرداری نہیں ہے۔ امامت لوگوں کی بیعت کی محتاج نہیں۔ یہ ایسی ذمہ داری ہے جو خدا کی طرف سے ملتی ہے بندوں کی طرف سے نہیں اور چونکہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کو مجمع عام میں امام مقرر کردیا تھا اس لئے آپ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ آپ لوگوں کے پاس دوڑ کر جائیں اور ان سے بیعت کا مطالبہ کریں۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ آپ کی امامت کی اساس لوگوں کی بیعت پر مبنی ہے۔ اگر لوگ خود آکر اعلان غدیر خم کی بنیاد پر آپ کی بیعت کریں تو سبحان اللہ۔ اگر وہ نہ آئیں تو یہ ان کا نقصان ہوگا، حضرت علیؑ کا نہیں۔

۳۔ اب واقعات سقیفہ پر ایک نظر ڈال لیں:

حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں مسجد نبوی اسلامی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ اسی مسجد میں جنگ و صلح کے فیصلے ہوتے، وفود کا استقبال ہوتا، خطبے دئے جاتے، تقریریں ہوتیں، مقدمات کے فیصلے ہوتے اور جب یہ خبر پھیلی کہ رسولؐ خدا نے رحلت فرمائی تو تمام مسلمان اسی مسجد میں جمع ہوئے تھے۔ تو کیا وجہ تھی کہ سعد بن عبادہ کے حامیوں نے یہ طے کیا کہ مدینہ سے تین میل باہر جاکر وہ بھی سقیفہ جیسی بدنام جگہ میں میٹنگ کریں۔ کیا اس کا یہ سبب نہیں تھا کہ وہ خلافت پر قبضہ کرلینا چاہتے تھے بغیر اس کے کہ دوسرے لوگوں کو اطلاع ہو تاکہ سعد کو بعد میں ایک تسلیم شدہ خلیفہ کے طور پر مدینہ والوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

اگر اعلان غدیر خم اور عرب کے قدیم رسم ورواج کو سامنے رکھا جائے تو اس کے علاوہ کوئی دوسری وجہ پیش نہیں کی جاسکتی۔

---

۱۱ ابن قتیبہ، الامامۃ و السیاسۃ، ج ۱، ص ۴؛ ماوردی، الاحکام السلطانیۃ (مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۶۶ء) ص ۷۔

۴۔ جب عمر وابوبکر کو سقیفہ کے اجتماع کی خبر ملی تو وہ دونوں اس وقت مسجد میں تھے اور مسلمانوں کی اکثریت بھی مسجد ہی میں تھی، تو اب دونوں حضرات نے اس مجمع کو سقیفہ کے اجتماع کی خبر کیوں نہ دی؟ کیوں یہ دونوں حضرات ابوعبیدہ کے ساتھ چپکے سے کھسک لئے؟! کیا اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ علیؑ، بنی ہاشم اور رسولؐ کے گھر والے مسجد میں موجود تھے اور عمر وابوبکر یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کو اس سازش کی اطلاع ہو۔ کیا یہ بات نہ تھی کہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ اگر علیؑ کو سقیفہ کے اجتماع کی اطلاع ملی اور اگر بعید از قیاس انہوں نے خود وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر کسی دوسرے کی کامیابی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوگا۔

۵۔ جب ابوبکر مہاجرین کے فضائل بیان کررہے تھے کہ وہ رسولؐ خدا کے قبیلے سے ہیں تو کیا ان کو یہ خبر نہ تھی کہ کچھ اور بھی حضرات ہیں جو اس دلیل کے پیش کرنے کا بہتر حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ رسولؐ کے اہل بیت ہیں اور رسولؐ کا گوشت اور رسولؐ کا خون ہیں۔ اس استدلال کا یہی پہلو تھا جس نے حضرت علیؑ بن ابی طالب کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ "احتجوا بالشجرة واضاعوا الثمرة - انہوں نے درخت کے ذریعے استدلال کیا اور اس کے پھل (یعنی آل رسولؐ) کو برباد کردیا۔"[۱۲]

اگر جذبات سے الگ ہٹ کر ہم "سقیفہ کی سرگذشت" پر غور کریں تو ہم اسے "الکشن" نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ رائے دہندگان (یعنی تمام امت مسلمہ جو پورے عرب بھر میں پھیلی ہوئی تھی یا کم از کم تمام مسلمانان مدینہ) کو اس بات کی بھی خبر نہ تھی کہ کوئی "الکشن" ہونے جارہا ہے چہ جائے کہ اس کی تاریخ اور جگہ اور وقت کی اطلاع ہو، ووٹروں کو جانے دیجئے جو لوگ امیدوار ہوسکتے تھے ان کو بھی سقیفہ میں جو کچھ ہورہا تھا اس کی خبر نہ تھی۔ یہاں ہمیں پھر حضرت علیؑ کے دو شعر یاد آتے ہیں جو آپ نے انہیں باتوں کے پیش نظر کہے تھے۔

فان كنت بالشورى ملكت امورهم *** فكيف بهذا و المشيرون غيب

وان كنت بالقربى حججت خصيمهم *** فغيرك اولى بالنبي و اقرب

اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم نے امور مملکت پر مسلمانوں کے مشورے سے قبضہ جمایا ہے تو یہ کیسا مشورہ تھا جب کہ مشورہ دینے والے غائب تھے

اور اگر تم نے اپنے مخالفین (انصار) کو یہ کہہ کر مغلوب کیا ہے کہ تم رسولؐ کے قرابت دار ہو تو دوسرا تمہارے مقابلے میں رسولؐ سے زیادہ قریب اور گہرا رشتہ رکھتا ہے۔[۱۳]

---

۱۲ سید رضی، نہج البلاغۃ (بیروت) ص ۹۸۔

۱۳ یہ اشعار نہج البلاغۃ میں کلمات قصار نمبر ۱۹۰ کے ذیل میں مندرج ہیں۔ حضرت علیؑ کے اس قول کو سید رضی نے یوں نقل کیا ہے: "واعجبا! اتكون الخلافة بالصحابة ولا تكون بالصحابة والقرابة؟ -- تعجب ہے ⟸

ہم اسے "سلیکشن" بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ رسولؐ کے مشہور اصحاب کی اکثریت ان واقعات سے بالکل بے خبر تھی اور علیؑ، عباس، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، ابو ذرغفاری، عمار ین یاسر، مقداد اور عبدالرحمن بن عوف – ان میں سے کسی سے نہ رائے لی گئی اور نہ ہی انہیں خبر دی گئی۔

واحد دلیل جو اس خلافت کے حق میں پیش کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے: سقیفہ کے واقعات کی قانونی حیثیت جو بھی ہو اس سے مطلب نہیں، چونکہ پرانے قبائلی رواج کی بناء پر ابو بکر عنانِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہوگئے لہٰذا وہ جائز خلیفہ تھے۔ آسان لفظوں میں ابو بکر جائز خلیفہ ہوگئے کیونکہ وہ حصولِ اقتدار میں کامیاب ہوگئے۔ اس طرح مسلمانوں کو (جن کو اس واقعہ کی تقدیس کا سبق سکھایا گیا ہے) غیر شعوری طور پر یہ درس دیا جاتا ہے کہ اصل چیز طاقت ہے۔ ایک مرتبہ تم مسند اقتدار پر جم کر بیٹھ جاؤ تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے، تم جائز خلیفہ اور دستوری سربراہِ مملکت بن جاؤگے۔ (مسلمانوں میں آئے دن فوجی انقلابات کا رجحان اسی نظریے کی دَین ہے۔)

آخر میں اس خلافت کے "مصنّف" یعنی عمر بن خطاب نے اس پر یوں تبصرہ کیا کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں یہ کہا: "میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عمر اس دنیا سے رخصت ہوجائیں گے تو ہم فلاں کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ آگاہ ہوجاؤ! کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے، کوئی یہ نہ سوچے کہ اگر چہ ابو بکر کی بیعت ناگہانی تھی لیکن وہ کامیاب ہوگئے۔ بے شک وہ ناگہانی تھی مگر اللہ نے اس کے شر سے بچالیا۔ اب اگر کوئی اس کی نقل کرنا چاہے گا تو میں اس کا گلا کاٹ دوں گا۔"[۱۴]

(۲۲) حضرت عمر کا استخلاف

حضرات اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ سقیفہ میں جو کچھ ہوا وہ اسلام کی "روحِ جمہوریت" کا مظاہرہ تھا۔ اس عقیدے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ توقع بے جانہ ہوگی کہ جمہوری اندازِ انتخاب (سقیفہ کے سیاق

⟸ کہ صحابیت کی بنیاد پر خلافت مل سکتی ہے لیکن صحابیت اور قرابت دونوں اکٹھا ہوجائیں تو خلافت نہیں مل سکتی!" عجیب بات یہ ہے کہ صبحی صالح اور مفتی محمد عبدہ، دونوں کے ایڈیشن میں آخری فقرہ "ولا بالصحابة والقرابة" کو خذف کردیا گیا ہے۔ مکمل عبارت کیلئے ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغۃ از ابن ابی الحدید معتزلی، ج ۱۸ (مطبوعہ مصر، ۱۹۵۹ء) ص ۴۱۶۔

۱۴ بخاری، صحیح البخاری (کتاب المحاربین)، ج ۸ (قاہرہ: مکتبۃ الجمھوریۃ) ص ۲۱۰؛ الطبری، التاریخ، ج ۴، ص ۱۸۲۱۔

وسباق میں اس کا جو بھی مطلب ہو) آئندہ بھی خلافت اسلامی کی بنیاد کے طور پر جاری رہتا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

چونکہ ابو بکر اپنی خلافت کے قیام کے سلسلے میں عمر کے زیر بار احسان تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر عوام کو انتخاب کی آزادی دی گئی تو عمر کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں، کیونکہ وہ "فظ غلیظ القلب" یعنی بد خلق اور سخت دل کے نام سے مشہور تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنا جانشین خود نامزد کریں گے یعنی عمر کو۔

طبری کی روایت ہے: جب ابو بکر بستر مرگ پر تھے، انہوں نے عثمان کو بلایا اور ان سے کہا کہ ایک پروانہ تقرری لکھو اور انہوں نے خود لکھوانا شروع کیا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ عہد ہے عبداللہ بن ابی قحافہ (ابو بکر) کا مسلمانوں کے لئے چونکہ..."۔

اس کے بعد وہ بیہوش ہوگئے اور عثمان نے یہ الفاظ خود بڑھادئے "میں عمر بن خطاب کو تمہارے درمیان اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔" جب ابو بکر کو ہوش آیا تو انہوں نے عثمان سے کہا جہاں تک لکھا ہے اسے پڑھو! عثمان نے پوری عبارت پڑھی۔ ابو بکر نے کہا "اللہ اکبر" اور پھر خوش ہو کر کہنے لگے: "میرا خیال ہے کہ تمہیں خوف لاحق ہوا ہوگا کہ اگر کہیں اس بیہوشی کے عالم میں میرا انتقال ہوگیا تو شاید امت کے درمیان انتشار پیدا ہوجائے۔" عثمان نے کہاں: "ہاں۔"

ابو بکر نے کہا: "تمہیں اسلام و مسلمین کی جانب سے خدا جزائے خیر دے۔"[۱۵]

اس طرح یہ پروانۂ جانشینی تیار ہوا اور ابو بکر نے حکم دیا کہ اسے مسلمانوں کو سنادیا جائے۔

ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں: جب ابو بکر کو ہوش آیا تو کاتب نے جو کچھ لکھا تھا اسے پڑھ کر سنایا۔ جب ابو بکر نے عمر کا نام سنا تو انہوں نے کاتب سے پوچھا: "تم نے یہ کیسے لکھا؟" کاتب نے جواب دیا: "میں جانتا تھا کہ آپ ان کو چھوڑ کر دوسرے کا نام نہیں لکھوائیں گے۔" ابو بکر نے کہا: "تم ٹھیک کہتے ہو۔"[۱۶] کچھ دیر کے بعد ابو بکر کا انتقال ہوگیا۔

عمر کو استخلاف نامہ کے ذریعے خلافت ملی۔ یہاں پر اس المیہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جو رسولؐ خدا کی رحلت کے تین یا پانچ دن قبل واقع ہوا تھا۔

صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبرؐ کی رحلت سے تین روز قبل عمر بن خطاب اور دوسرے اصحاب حضرتؐ کی خدمت میں موجود تھے جب رسولؐ اللہ نے فرمایا: "میں

---

۱۵ الطبری، التاریخ، ج ۴، ص ۲۱۳۸-۲۱۳۹۔

۱۶ ابن ابی الحدید المعتزلی، شرح نہج البلاغۃ، ج ۱ (مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۹ء)، ص ۱۶۳-۱۶۵۔

تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھنا چاہتا ہوں تا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔" اس پر عمر نے کہا: "پیغمبرؐ بخار کی شدت میں ہذیان بک رہے ہیں، ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔" عمر کے اس بیان سے حاضرین کے درمیان ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ کچھ نے کہا کہ پیغمبرؐ کے فرمان پر عمل ہونا چاہئے تا کہ جو کچھ پیغمبرؐ ہماری بھلائی کے لئے لکھنا چاہتے ہیں لکھ دیں۔ کچھ لوگوں نے عمر کی حمایت کی۔ جب تنازعہ اور چیخ پکار بڑھ گئی تو پیغمبرؐ نے فرمایا میرے پاس سے نکل جاؤ۔[۱۷]

یہاں پر موقع کی مناسبت سے چند قرآنی احکام پیش کئے جارہے ہیں:

...لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ -- تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور (زور) سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سب اعمال حبط (اکارت) ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (سورہ الحجرات، آیت ۲)

پیغمبرؐ کے الفاظ خدا کی وحی ہیں: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ -- وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں، یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔" (سورہ النجم، آیت ۳-۴)

مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ بغیر چوں وچرا کے حکم رسولؐ کی اطاعت کرتے: "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا - جو تمہیں رسولؐ دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کردیں اس سے باز رہو۔" (سورہ حشر، آیت ۷)

اب ایسا رسولؐ اپنے انتقال سے پانچ دن قبل یہ چاہے کہ اپنی امت کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک نوشتہ لکھ دے تو اس پر "ہذیان بکنے" کی تہمت لگائی جائے۔ جب ابوبکر نے (جن کو غلطیوں سے محفوظ رہنے کی کوئی خدائی ضمانت حاصل نہیں تھی) پروانہ تقرری لکھوانا شروع کیا ایسی خطرناک حالت میں کہ اپنے جانشین کا نام لکھوانے سے پہلے ہی بیہوش ہوگئے تو عمر نے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ وہ ہذیان بک رہے ہیں!!۔

کوئی یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا ہے کہ پیغمبرؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ لیکن کچھ ایسے الفاظ حضورؐ

---

۱۷ صحیح مسلم (باب الوصیۃ) ج ۵ (مطبوعہ قاہرہ) ص ۷۵-۷۶؛ صحیح البخاری، ج ۱ (کتاب العلم) ص ۳۸-۳۹؛ ج ۴، ص ۸۵؛ ج ۶، ص ۱۱-۱۲؛ ج ۷ (کتاب الطب) ص ۱۵۵؛ ج ۹ (کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ) ص ۱۳۷۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ بخاری نے جس جگہ رسولؐ کے بارے میں اس بے ادبانہ کلمے کا استعمال کیا ہے وہاں کہنے والے کا نام مبہم کردیا ہے، مثلا: "ایک شخص نے کہا۔" اور جہاں کہنے والے کے نام (عمر) کی تصریح کی ہے وہاں اس جملے کو بدل کر اور ہلکا کر کے لکھا ہے (مثلا "رسول کو بیماری کی شدت ہے")۔ ابن سعد، الطبقات ج ۲ (مطبوعہ بیروت) ص ۲۴۲، ۲۴۴، ۳۳۶، ۳۶۸؛ احمد بن حنبل، مسند، ج ۱، ص ۲۳۲، ۲۳۹، ۳۲۴، ۳۳۶، ۳۵۵۔

نے استعمال فرمائے جن سے کچھ اشارے ملتے ہیں مختلف مواقع پر حضورؐ نے یہ اعلان فرمایا تھا: ”لوگو! میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت۔ جو میرے اہلبیت ہیں جب تک تم ان سے تمسک اختیار کئے رہوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔“

جب مرسلِ اعظمؐ نے اپنے انتقال سے پانچ دن قبل بالکل ویسا ہی جملہ ارشاد فرمایا کہ (میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھنا چاہتاہوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو) تو یہ سمجھ لینا بہت آسان تھا کہ پیغمبرؐ اب اسی چیز کو قیدِ تحریر میں لانا چاہتے ہیں جو کچھ انہوں نے اب تک قرآن و اہلبیتؑ کے بارے میں کہا تھا۔

شاید عمر نے اس بات کو سمجھ لیا جب ہی تو انہوں نے کہا: ”ہمارے لئے کتابِ خدا کافی ہے“ گویا عمر رسولؐ کو یہ الٹی میٹم دینا چاہتے تھے کہ وہ ثقلین (دو گرانقدر چیزوں) کی اطاعت نہیں کریں گے۔ ان کے لئے ایک ہی کافی ہے اور عبداللہ بن عباس سے گفتگو کرتے ہوئے دورانِ کلام میں خود عمر نے اس بات کا اقرار بھی کیا۔ انہوں نے کہا: یقیناً پیغمبرؐ چاہتے تھے کہ اپنے مرض الموت میں علیؑ کو جانشین نامزد کردیں لیکن میں اس سے مانع ہوا۔[۱۸]

لفظ ”ہذیان“ سے ہر حال میں عمر کا مقصد حاصل ہوجاتا: اگر رسولؐ بعد میں وہ وصیت نامہ تحریر فرما بھی دیتے جب بھی لفظ ”ہذیان“ سے عمر کا مقصد حاصل تھا، وہ اور ان کے ساتھی یہ کہتے کہ چونکہ یہ وصیت نامہ حالتِ ”ہذیان“ میں لکھا گیاہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۲۳) شوریٰ

تقریباً دس سال اُمّتِ اسلامیہ پر حکومت کرنے کے بعد عمر ایک زردشتی غلام فیروز کے ہاتھوں مہلک طور پر زخمی ہوگئے۔

عمر، اس پروانہ تقرری کی وجہ سے عثمان کے بہت زیادہ احسان مند تھے لیکن وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عثمان کو علانیہ اپنا خلیفہ وجانشین نامزد کردیں اور یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو خلیفہ منتخب کرنے کی آزادی دیدیں، لہٰذا انہوں نے ایک تیسرا انوکھا سسٹم ایجاد کیا۔

انہوں نے کہا: ”رسولؐ خدا آخر وقت تک قریش کے ان چھ آدمیوں سے راضی دنیا سے اٹھے: علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف، اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ خلیفہ

---

۱۸ ابن ابی الحدید المعتزلی، شرح نهج البلاغة، ج ۱۲، ص ۲۱۔

کا انتخاب ان کے باہمی مشورہ پر چھوڑدوں کہ وہ اپنے درمیان میں سے ایک خلیفہ منتخب کرلیں۔"

جب عمر بالکل قریب مرگ تھے تو انہوں نے ان چھ افراد کو بلایا اور ان کی جانب دیکھ کر کہنے لگے: "توکیا تم میں سے ہر ایک میرے بعد خلیفہ بننا چاہتا ہے؟" کسی نے جواب نہیں دیا۔ عمر نے اپنا سوال پھر دوہرایا۔ اب زبیر بولے: "ہمارے اندر کون سی کمی ہے۔ تم نے خلافت پائی اور اسے چلایا اور ہم قریش میں تم سے کمتر نہیں۔ نہ تو اولویت میں اور نہ رسولؐ کی قرابت میں۔" عمر نے کہا: "کیا میں تم لوگوں کے متعلق تم سے کچھ نہ کہوں؟"

زبیر نے کہا: کہیئے! کیونکہ اگر ہم منع بھی کریں جب بھی آپ نہیں سنیں گے۔ اس کے بعد عمر نے زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف کے نقائص گنانے شروع کئے۔

پھر حضرت علیؑ کی طرف رخ کرکے بولے : "خدا کی قسم تم خلافت کے مستحق ہو۔ اگر تمہارے اندر خوش طبعی نہ ہوتی پھر بھی واللہ اگر تم لوگ ان کو اپنا حاکم بناؤ تو یہ تمہیں خالص حق اور صراط روشن پر لے جائیں گے۔"

اس کے بعد عمر، عثمان سے مخاطب ہوئے اور کہا : "میری بات گرہ باندھ لو، ایسا ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ قریش نے تمہاری محبت کی وجہ سے قلادہ تمہاری گردن میں ڈال دیا ہے اور پھر تم نے بنی امیہ اور بنی ابی معیط (عثمان کا قبیلہ) کو لوگوں کے کندھوں پر مسلط کردیا اور مال غنیمت کو انہیں دونوں خاندانوں میں محدود کردیا ہے، اس کے بعد عرب کے بھیڑیوں کا ایک گروہ تمہارے پاس پہنچا ہے اور تمہیں تمہارے بستر میں پھاڑ کھایا ہے۔ واللہ اگر قریش نے تمہیں یہ خلافت دی تو پھر تم تمام حقوق بنی امیہ کے لئے مخصوص کردوگے اور اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً مسلمان تمہیں ہلاک کردیں گے۔" اس کے بعد انہوں نے عثمان کی پیشانی پکڑی اور کہا: اگر ایسا ہوتو میرے الفاظ کو یاد کرنا کیونکہ ایسا یقیناً ہونے والا ہے۔

اس کے بعد عمر نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرے دفن کے بعد تم انصار سے پچاس مسلح افراد کو منتخب کرنا جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں برہنہ شمشیر ہو اور ان چھ افراد کو ایک گھر میں بند کردینا تاکہ وہ آپس میں ایک خلیفہ منتخب کرلیں۔ اگر پانچ ایک پر متفق ہوجائیں اور چھٹا مخالفت کرے تو اس کو قتل کردینا، اگر چار ایک پر متفق ہوجائیں اور دو مخالفت کریں تو ان دو کا سر کاٹ دینا۔ اگر تین تین کے دو گروپ ہو جائیں تو جس طرف عبدالرحمن بن عوف ہوں، ان کی بات مانی جائے گی اور دوسرے تین اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان تینوں کی گردن اڑادی جائے۔ اور اگر یہ لوگ کسی فیصلے تک نہ پہنچیں تو سب کو قتل کردیا جائے اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا جائے کہ

جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں۔[19]

مشہور شیعہ مصنف قطب الراوندی لکھتے ہیں: جب عمر نے یہ حکم دیا کہ عبدالرحمن بن عوف کی بات تسلیم کی جائے گی تو عبداللہ بن عباس نے حضرت علیؑ سے کہا: "اس بار بھی یہ امر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا، یہ شخص عثمان کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔" حضرت علیؑ نے فرمایا: میں بھی جانتا ہوں پھر بھی میں شوریٰ میں ان کے ساتھ بیٹھوں گا کیونکہ اس تجویز کے ذریعے آخر کار عمر نے علی الاعلان یہ تسلیم کرلیاہے کہ میں بھی خلافت کا اہل ہوں جبکہ اس سے قبل وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ نبوت اور امامت ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا میں شوریٰ میں شرکت کروں گا تاکہ لوگوں کو عمر کے قول وفعل کا تضاد بتاسکوں۔[20]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن عباس اور حضرت علیؑ کو کیوں یقین تھا کہ عمر، عثمان کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا سبب شوریٰ کے افراد کا باہمی لگاؤ اور شوریٰ کا معین کردہ طریقۂ کار تھا۔

عبدالرحمن بن عوف، عثمان کے بہنوئی تھے اور سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف ایک ہی خاندان بنی مخزوم سے تھے اور ایک دوسرے کے ابن عم تھے۔ عرب کے قبائلی تعصب کو دیکھتے ہوئے یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ سعد، عبدالرحمن کی مخالفت کریں گے یا عبدالرحمن، عثمان کو نظر انداز کردیں گے۔ لہٰذا عثمان کی تحویل میں تین ووٹ پہلے سے تھے جن میں عبدالرحمن کا فیصلہ کن ووٹ بھی شامل تھا۔

اب رہے طلحہ، وہ ابوبکر کے خاندان سے تھے اور سقیفہ کے واقعہ کے بعد سے بنی ہاشم اور بنی تیم میں آپس میں عداوت چلی آرہی تھی، اس پر مستزاد یہ کہ حضرت علیؑ نے جنگ بدر میں طلحہ کے چچا عمیر بن عثمان اور ان کے دو بھائیوں عثمان اور مالک کو قتل کیا تھا۔[21] لہٰذا طلحہ کے لئے علیؑ کی حمایت ناممکن تھی۔

باقی رہے زبیر: وہ حضرت علیؑ کے پھوپھی زاد بھائی اور جناب صفیہ کے بیٹے تھے اور سقیفہ کے بعد انہوں نے تلوار نکالی تھی کہ ان لوگوں سے جنگ کریں جو حضرت علیؑ کے گھر میں داخل ہو کر ان کو پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے جانا چاہتے تھے۔ قرین قیاس تھا کہ وہ حضرت علیؑ کی حمایت کریں گے

---

۱۹ ابن ابی الحدید المعتزلی، شرح نہج البلاغۃ، ج ۱، ص ۱۸۵-۱۸۸؛ ابن قتیبہ، الامامۃ و السیاسۃ، ج ۱، ص ۲۳-۲۷، الطبری، التاریخ، ج ۵، ص ۳۳-۴۱۔

۲۰ شرح نہج البلاغۃ، ج ۱، ص ۱۸۹۔

۲۱ شیخ مفید، کتاب الارشاد، ؟؟؟.

لیکن اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ممکن ہے وہ خود خلافت کے امیدوار بن جائیں۔

اس طرح زیادہ سے زیادہ جو ووٹ حضرت علیؑ کو مل سکتے تھے وہ خود اپنا ووٹ اور زبیر کا ووٹ تھا، پھر بھی چار ووٹ ان کے خلاف ہوتے اور وہ ہار جاتے۔ اگر ایک ناممکن سی صورت فرض کی جائے کہ طلحہ علیؑ کا ساتھ دے دیں جب بھی علیؑ خلیفہ نہیں ہوسکتے تھے کیوں کہ تین تین کی گروپ بندی کی صورت میں عبدالرحمن کی رائے قول فیصل ہوتی۔[۲۲]

شوریٰ کے طریقۂ کار اور اس کے اثرات پر اس طرح غور کرنے کے بعد جو کچھ شوریٰ میں ہوا اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ طلحہ نے عثمان کی حمایت میں اپنا نام واپس لے لیا۔ زبیر حضرت علیؑ کے حق میں دست بردار ہوگئے اور سعد نے عبدالرحمن کی حمایت میں دستبرداری اختیار کی۔ تیسرے دن عبدالرحمن بن عوف نے اپنا نام واپس لے کر حضرت علیؑ سے کہا: میں آپ کو خلیفہ بنا سکتا ہوں بشرطیکہ آپ کتاب اللہ، سنّتِ رسولؐ اور سیرتِ شیخین (ابوبکر وعمر) پر عمل کرنے کا وعدہ کریں۔ عبدالرحمن اچھی طرح جانتے تھے کہ جواب کیا ملے گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: کتاب خدا، سنّتِ رسولؐ اور میری اپنی رائے۔ اس کے بعد عبدالرحمن نے یہی شرطیں عثمان کے سامنے رکھیں جنہیں انہوں نے فوراً قبول کرلیا۔

حضرت علیؑ نے عبدالرحمن سے کہا کہ خدا کی قسم تم نے اسی امید پر یہ کام کیا ہے جس امید پر عمر نے اپنے دوست کی بیعت کی تھی (یعنی عبدالرحمن نے اس امید پر عثمان کو خلیفہ بنایا تھا کہ وہ کل عبدالرحمن کا اپنا جانشین نامزد کردیں گے۔) پھر حضرت علیؑ نے بد دعا دی کہ خدا تم دونوں کے درمیان دشمنی پیدا کردے۔ کچھ عرصہ کے بعد عبدالرحمن اور عثمان ایک دوسرے سے اتنی نفرت کرنے لگے کہ ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتے تھے یہاں تک عبدالرحمن کا انتقال ہوگیا۔

(۲۴) فوجی طاقت

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان اپنی اقربا پرستی کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ حالات نے ان کو اتنا موقع نہیں دیا کہ اپنے بعد اپنی پسند کے کسی آدمی کی خلافت کا انتظام کرکے جاتے۔ اب یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان واقعی اپنی پسند کے خلیفہ کے انتخاب میں آزاد تھے۔ وہ علیؑ کے دروازے پر دوڑ پڑے۔

---

۲۲ الطبری، التاریخ، ج ۵، ص ۳۵ میں یہ تجزیہ خود حضرت علیؑ کی طرف منسوب کیا ہے وہاں یہ گفتگو حضرت علیؑ اور ان کے چچا عباس کے درمیان ہوئی ہے۔

مگر وفات رسولؐ کے بعد سے جو پچیس سال کا عرصہ گذرا تھا، اس میں مسلمانوں کا مزاج اور ان کی عادتیں اس حد تک بدل گئی تھیں کہ بہت سے نمایاں افراد کو حضرت علیؑ کا نظام برداشت نہ ہوسکا حالانکہ وہ نظام بعینہٖ رسولؐ اللہ کی حکومت کی طرح سوفیصد خالص عدل و مساوات پر مبنی تھا، وہ لوگ اب یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ ان کو غیر عرب مسلمانوں کے برابر سمجھا جائے۔ پہلے تو طلحہ، زبیر اور عائشہ مخالفت پر کمربستہ ہوئے پھر معاویہ نے آپ کے خلاف بغاوت کردی۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ معاویہ سے جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن اس درمیان میں آپ کے بہت سے افسران معاویہ کے ہاتھوں بک گئے۔ جب معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لئے فوج بھیجی گئی تو سپہ سالارصاحب فوج کو چھوڑ کر راتوں رات معاویہ سے جاملے۔ ان نامساعد حالات میں آپ کو معاویہ کی صلح کی پیش کش کو قبول کرنا پڑا۔

اس معاہدے کے بعد حضرات اہلسنت یہ کہنے لگے کہ فوجی طاقت خلافت رسولؐ حاصل کرنے کا ایک جائز طریقہ ہے، اس طرح خلافت کے چار دستوری ذرائع وجود میں آئے۔

(۲۵) ان اصول پر ایک طائرانہ نظر

سیاسی میدان میں عام طور پر ملک کا دستورِ حکومت پہلے سے تیار کیا جاتا ہے اور جب کسی حکومت کے انتخاب یا قانون کے پاس کرنے کا موقع آتا ہے تو تمام مراحل اسی دستورِ اساسی کے دفعات کے ماتحت انجام دئے جاتے ہیں جو کچھ دستور اساسی کے مطابق ہوتا ہے اسے جائز اور قانونی تسلیم کیا جاتا ہے، جو کچھ اس کے خلاف ہوتا ہے اسے ناجائز اور غیر قانونی قرار دے کر مسترد کردیا جاتا ہے۔

چونکہ سنی نقطۂ نظر کے مطابق یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک خلیفہ کا انتخاب کرے اس لئے خدا اور اس کے رسولؐ پر لازم تھا کہ وہ امت کو ایک آئین بنا کردے دیتے جس میں خلیفہ کے انتخاب کے تمام مراحل کی تفصیلات درج ہوتیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو خود مسلمانوں کو یہ چاہئے تھا کہ وہ کسی خلیفہ کے انتخاب سے قبل تمام آئینی شقوں کو پہلے سے طے کرلیتے۔

لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا اور ہم ایک اچھوتے قسم کا غیر طے شدہ دستورِ حکومت دیکھتے ہیں جس میں واقعات دستور کے تابع نہیں ہوتے (کیونکہ دستور تھا ہی نہیں) بلکہ دستور حادثات اور واقعات کا تابع ہوتا ہے۔

اہلسنت حضرات اس سلسلے میں جو سب سے اہم دلیل دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ صدر اسلام کے

مسلمانوں نے خلیفہ کے انتخاب کو اپنا فرض سمجھا اور انہوں نے اس ذمہ داری کو اتنا اہم سمجھا کہ رسولؐ خدا کی تجہیز و تکفین سے منہ موڑ لیا اور مسئلہ خلافت کو طے کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے اس واقعہ سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ خلیفہ کا تقرر امت کی ذمہ داری تھی۔

لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہاں خود اسی ”نام نہاد الکشن“ کا جواز معرض بحث میں ہے جس کو شیعہ حضرات چیلنج کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں جو کچھ ہوا وہ غیر قانونی تھا جبکہ سنی کہتے ہیں کہ یہ بالکل قانونی اور جائز تھا۔ اب اہلسنت اسی الیکشن کو اپنی دلیل کے طور پر کیسے پیش کرسکتے ہیں! دعوے کو دلیل بنا کر پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ”میرا یہ عمل قانونی ہے کیونکہ میں نے اسے کیا ہے۔“ میں نہیں جانتا کہ کون سی عدالت ایسے استدلال کو مانے گی!!

(۲۶) عملی پہلو

ان طریقوں کے علمی اور منطقی پہلوؤں کو نظر انداز کیجئے اور ذرا یہ دیکھئے کہ ان کا اثر اسلامی قیادت اور مسلم ذہنیت پر کیا پڑا۔

پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد تیس سال کے اندر اندر اقتدار حاصل کرنے کے ہر قابل تصور طریقۂ کار کو استعمال کرلیا گیا اور اسے سند جواز عطا کردی گئی۔ الکشن بھی اور سلکشن بھی، نامزدگی بھی اور فوجی طاقت بھی۔ اتنی صدیاں گذرجانے کے بعد بھی ہم اقتدار حاصل کرنے کا کوئی نیا طریقہ نہیں سوچ سکتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مسلمان مسند خلافت اور مسلمانوں کی دینی قیادت حاصل کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے۔ مسلمانوں کے نظریات کا یہی بنیادی نقص ہے جو کہ دنیائے اسلام کے سیاسی عدم استحکام کا بنیادی سبب رہا ہے اور اب تک ہے۔

ہر مسلمان حکمران کو ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ پڑھایا گیا ہے کہ فوجی بالادستی اور قہر وغلبہ حصولِ خلافت کا جائز ذریعہ ہے، اس تعلیم کے اثر سے وہ دوسرے مسلمان حکمرانوں کو کمزور کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ خود تمام مسلم حکمرانوں میں سب سے طاقتور اور سب سے بالا بن جائے۔ اس طرح اس نظام حکومت نے مسلمانوں کو دنیا میں کمزور بنائے رکھنے میں براہ راست رول ادا کیا ہے۔

ذرا یہ دیکھیں کہ حصولِ خلافت کے یہ چاروں طریقے اپنی ایجاد کے فوراً بعد کیسے ”جامع“ اور ہمہ گیر ثابت ہوئے۔ خلافت کی یہ چار دیواری ایسی غیر محفوظ ہے کہ ہر شخص اس میں داخل ہوسکتا ہے چاہے اس کا علم اور کردار کیسا ہی ہو۔ معاویہ کے بعد پہلا خلیفہ یزید بن معاویہ ہوا جس کو خود معاویہ نے نامزد کیا۔ (یہ نامزدگی ہوئی) اس کی فوجی طاقت ایسی تھی جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا (یہ قہر

وغلبہ ہوا) مسلمانوں نے معاویہ کی زندگی میں اس کی بیعت کرلی تھی (لہٰذا اس پر اجماع بھی تھا) لہٰذا دستوری لحاظ سے وہ ایک جائز خلیفہ تھا مگر اس کا عقیدہ اور کردار کیسا تھا؟

یزید ایسا شخص تھا جو رسالتِ پیغمبرؐ کا منکر تھا اور اپنے اشعار میں اس نے کھلم کھلا اپنے عقائد کو اس طرح بیان کیاہے:

لعبت هاشم بالملك فلا *** خبر جاء ولا وحي نزل

یعنی: بنی ہاشم نے سلطنت کے لئے ایک ڈھونگ رچایا تھا ورنہ،

نہ تو خدا کی طرف سے کوئی خبر آئی تھی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔[۲۳]

وہ روز قیامت اور جزاوسزا کو بھی نہیں مانتا تھا۔ وہ کہتا تھا:

فان الذی حدثت عن یوم بعثنا *** احادیث طسم تجعل القلب ساهیا

یعنی: اے میری محبوبہ! یہ یقین نہ رکھ کہ مرنے کے بعد تو مجھ سے ملے گی کیونکہ جو کچھ تجھے حیات بعد الموت کے بارے میں بتایا گیا ہے وہ اساطیری قصے ہیں جو دلوں کو دنیوی عیش وعشرت سے غافل کردیتے ہیں۔[۲۴]

خلافت حاصل کرنے کے بعد اس نے علی الاعلان عبادات اسلامی کا مذاق اڑایا، مذہب کی تذلیل کے لئے اس نے کتوں اور بندروں کو علماء کا لباس پہنایا، شراب اور قمار بازی، بھالوؤں اور ریچھوں کے ساتھ کھیلنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ اپنا سارا وقت بغیر کسی خدشے کے ہر جگہ اور ہر موقع پر شراب خواری میں گذاتا تھا۔ کسی عورت کا اس کی نظر میں کوئی احترام نہیں تھا، یہاں تک کہ محارم (سوتیلی ماں، بہن، پھوپھی، لڑکی) اس کے لئے عام عورتوں کی مانند تھیں۔

اس نے مدینہ پر لشکر کشی کی اور مدینۃ الرسولؐ کے تقدس کو اس کے لشکر نے پائمال کیا۔ شہر میں آزادی سے لوٹ مار کی گئی۔ اس کے فوجیوں نے سیکڑوں عورتوں کی عصمت دری کی، جن میں تین سو باکرہ لڑکیاں تھیں۔ تین سو قاریان قرآن اور سات سو اصحابِ رسولؐ کو بہیمیت سے قتل کیا گیا۔ مسجد النبیؐ میں کئی دن تک نماز نہیں ہوئی کیونکہ یزید کا لشکر اسے اپنے اصطبل کے طور پر استعمال کررہا تھا اور کتوں نے اسے اپنی آماج گاہ بنایا اور منبر رسولؐ کو بھی ناپاک کردیا۔

آخر کارلشکر یزید کے سپہ سالار نے اہل مدینہ کو مجبورر کیا کہ وہ یزید کی بیعت ان الفاظ میں کریں: ”ہم لوگ یزید کے غلام ہیں، اب یہ اس کی مرضی ہے کہ چاہے تو ہمیں آزاد کردے اور چاہے

---

۲۳ سبط ابن الجوزی، تذکرۃ خواص الأمۃ، ص ۲۶۱؛ الطبری، التاریخ، ج ۱۳، ص ۲۱۷۴۔

۲۴ سبط ابن الجوزی، تذکرۃ خواص الأمۃ، ص ۲۹۱۔

تو بازار میں بیچ ڈالے۔“ جن لوگوں نے ان الفاظ میں بیعت کرنی چاہی کہ یزید قرآن اور سنت رسولؐ کی پیروی کرے گا، انہیں شہید کردیا گیا۔[۲۵]

یہاں یہ بیان کردینا مناسب نہ ہوگا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: ”لعن اللہ من اخاف اھل المدینة - جو اہل مدینہ کو ڈرائے اس پر خدا کی لعنت ہو۔“

اس کے بعد یزید کے حکم سے اس کی فوج نے مکہ کا رخ کیا اور خدا کے اس مقدس ترین شہر کا محاصرہ کرلیا گیا۔ وہ لشکر شہر میں داخل نہ ہوسکا اس لئے منجنیق استعمال کی گئی جس سے دور کے نشانوں پر پتھر اور گولے پھینکے جاتے ہیں اور ان لوگوں نے منجنیق کے ذریعے پتھر اور جلتی ہوئی لکڑیاں کعبہ پر پھینکیں۔ غلافِ کعبہ جل گیا اور کعبہ کا ایک حصہ منہدم ہوگیا۔[۲۶]

(۲۷) ولید اور ہارون رشید

یہ کوئی استثنائی صورت حال نہ تھی۔ متاسفانہ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ بنی امیہ کا ایک اور خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک تھا جو کہ اول درجے کا شرابی تھا۔ ایک رات وہ اپنی ایک کنیز کے ساتھ شراب پی رہا تھا یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی۔ اس نے قسم کھائی کہ آج وہی کنیز نماز پڑھائے گی۔ اس نے خلیفہ کا لباس پہنا۔ اسی نشہ کی حالت میں مسجد میں جاکر نماز پڑھائی۔[۲۷] ایک دن ولید کی نظر اپنی کنواری لڑکی پر پڑی اور اس نے اس سے اپنا منھ کالا کیا۔ لڑکی کی دایہ وہاں بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا یہ مجوس کا دین ہے۔ ولید نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

من راقب الناس مات هما *** وفاز باللذا الجسور

یعنی: جو لوگوں (کی زبان) کا لحاظ کرتا ہے وہ فکر میں مرتا ہے
اور جو جراتمند ہوتا ہے وہ لذتیں اٹھاتا ہے۔[۲۸]

”الف لیلہ و لیلہ“ کا مشہور خلیفہ ہارون الرشید بہت باعظمت خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے باپ کی ایک کنیز کے ساتھ ہمبستری کرنا چاہتا تھا۔ اس کنیز نے اس کو توجہ دلائی کہ چونکہ وہ اس کے باپ کی کنیز رہ چکی ہے اس لئے سوتیلی ماں کا درجہ رکھتی ہے اور ایسی حالت میں ایسے تعلقات بدترین

---

۲۵ تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۹؛ تاریخ ابو الفداء، ج ۱، ص ۱۹۲؛ تذکرة خواص الأمة، ص ۲۸۸؛ روضة الصفا، ج ۳، ص ۶۶۰؛ ابن حجر المکی، الصواعق المحرقة، ص ۲۲۲۔
۲۶ ایضا۔
۲۷ ابن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید، ج ۴ (بیروت: ۱۹۸۳ء) ص ۴۶۰۔
۲۸ الدیاربکری، تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۳۲۰۔

قسم کا زنا ہوں گے۔ ہارون رشید نے قاضی ابویوسف کو بلایا اور ان سے یہ فرمائش کی کہ وہ کوئی ایسی صورت نکالیں جس سے خلیفہ وقت اپنی خواہش نفسانی کو پورا کر سکیں۔ قاضی نے کہا وہ تو ایک کنیز ہے، کیا جو کچھ وہ کہے گی آپ اسے مان لیں گے، آپ اس کا دعویٰ قبول کرنے کے پابند نہیں، اور خلیفہ نے اپنی خواہش پوری کرلی۔

ابن مبارک نے اس پر تبصرہ کیا ہے: ''مجھے نہیں معلوم کہ ان تینوں میں سے کس پر زیادہ تعجب کروں؟ اُس خلیفہ پر جو اپنا ہاتھ مسلمانوں کے جان ومال میں ڈبوتا ہے اور اپنی سوتیلی ماں کی بھی عزت نہیں رکھتا، یا اُس کنیز پر جو خلیفہ کی خواہشات نفسانی کے سامنے سرتسلیم خم کرنے سے انکار کرگئی، یا اُس قاضی پر جو خلیفہ کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے باپ کو بے آبرو کرے اور اس کی کنیز کے ساتھ ہمبستری کرے، جو اس کی سوتیلی ماں تھی۔''[۲۹]

(۲۸) عدلِ الٰہی اور عصمتِ انبیاء کے عقیدے پر خلافت کے اثرات

یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ نظام خلافت کے سلسلے میں اہلسنت کے نظریات نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر کتنا کمزور کردیا اور کس طرح ان کو اس کا عادی بنا دیا کہ وہ ہر اُس شخص کی اطاعت کریں جو اقتدار حاصل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہوجائے بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ اس میں کتنی صلاحیت ہے یا اس کا کردار کیسا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ اس عقیدے نے اُن کے پورے مذہبی نظریات اور دینی عقائد کو متاثر کردیا ہے۔ ان کے خلفاء کی ایک کثیر تعداد مذہبی صلاح وتقویٰ کے احساس سے بالکل عاری تھی۔ ایسے لوگوں کی خلافت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے حضرات اہلسنت کو یہ کہنا پڑا کہ خلفاء کا کیا ذکر، انبیاء بھی گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اس طرح عصمتِ انبیاء کا عقیدہ بدل دیا گیا۔[۳۰]

نیز چونکہ تقریباً ہر زمانے میں سیکڑوں افراد ایسے تھے جن کا علم اور تقویٰ خلیفہ وقت سے کہیں بڑھ کر تھا اور وہ خلافت کیلئے اپنے دور کے خلفاء سے زیادہ موزوں تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہ کہا کہ افضل پر مفضول کو ترجیح دینے میں بالکل کوئی مضائقہ نہیں یعنی اس میں عقلاً کوئی خرابی نہیں کہ ایک کم علم اور بدکردار شخص کو اس سے کہیں بڑے عالم اور متقی شخص کی موجودگی میں خلیفہ بنا دیا جائے۔ جب شیعوں نے یہ کہا کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو ترجیح دینا عقلاً قبیح ہے تو حضرات اہلسنت نے اس کے جواب میں یہ عقیدہ وضع کرلیا کہ کوئی چیز بذات خود اچھی یا بُری نہیں ہوتی بلکہ جس کا خدا حکم

---

۲۹ تاریخ الخلفاء، ص ۲۹۱۔
۳۰ اس سلسلہ میں مولف محترم کی کتاب Prophethood کو ملاحظہ کریں۔

دیتا ہے وہ اچھی ہوجاتی ہے اور جس چیز سے منع کرتا ہے وہ خراب ہوجاتی ہے۔[۳۱] جہاں تک عقل کا تعلق ہے انہوں نے اس کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں دی۔

یہاں تفصیل سے یہ بیان کرنے کا موقع نہیں کہ نظام خلافت کے بارے میں اہلسنت کے عقیدے نے پورے اسلامی عقائد اور علم کلام کے ڈھانچے کو کس بری طرح متاثر کیا ہے لیکن ابھی جو کچھ بیان کیا گیا وہی فی الحال کافی ہے۔

اب یہ واضح ہوگیا کہ خلفاء کو اعتراضات سے بچانے کے لئے نہ صرف انبیاء کو ان کی عصمت سے محروم کردیا گیا بلکہ خدا کو بھی اس کی عدالت سے محروم کردیا گیا۔ لیکن وہ ہنگامی دَور گذرچکا ہے اور اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ دُور ایک بلندی پر کھڑے ہوکر تمام واقعات کے علل واسباب اور نتائج واثرات کا ایک نگاہ میں جائزہ لے سکیں اور اسی روشنی میں ہم آسانی سے غدیر خم میں نازل شدہ آیت کا مفہوم کما حقہ سمجھ سکتے ہیں: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (سورہ مائدہ، آیت ٦٧)

اسلامی عقائد کی پاکیزگی اور اعمال کی طہارت اس بات پر موقوف تھی کہ رسولؐ کے بعد علیؑ کو خلیفہ بنایاجائے۔ اگر وہ ایک پیغام نہ پہنچایا جاتا تو کوئی پیغام نہیں پہنچایا گیا۔ پورے دین ومذہب کا تحفظ اس چیز پر منحصر تھا کہ رسولؐ کے بعد خلافت بلا فصل علیؑ کے ہاتھ میں آجائے۔

(۲۹) کیا تشیع غیر جمہوری ہے؟

جب اہلسنت پہلے چار خلفاء کی اور ہمارے ائمہ کی جانشینی کو دیکھتے ہیں تو وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تشیع غیر جمہوری ہے۔ تمام بارہ آئمہ ایک ہی خاندان اور ایک ہی نسل سے تھے جبکہ سنیوں کے پہلے چار خلفاء مختلف خاندانوں میں سے تھے اور وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ سنی مذہب اصولاً جمہوری ہے جس کے بارے میں آج کل یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ بہترین نظام حکومت ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ تشیع وراثت پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کوئی اچھا نظام نہیں۔

سب سے پہلے تو کوئی بھی نظام حکومت بذات خود نہ اچھا ہوتا ہے نہ بُرا۔ بلکہ اتنا ہی اچھا یا بُرا ہوتا ہے جتنا وہ آدمی اچھا یا بُرا ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے۔ بناء براین شیعوں کا یہ عقیدہ کہ امام کو معصوم ہونا چاہئے اور ہر قسم کے گناہ ونقائص اور رجس سے پاک ومنزہ

---

۳۱ اس سلسلہ میں مولف محترم کی کتاب Justice of God کو ملاحظہ کریں۔

ہونا چاہئے اور تمام صفات حسنہ میں سب سے افضل ہونا چاہئے، اِس بات کی ضمانت ہے کہ اس امام کی حکومت سب سے بہتر اور سب سے زیادہ عادلانہ ہوگی۔ شیعہ نظام میں ایک سرے پر حضرت علیؑ کا خالص عادلانہ نظام ہے جسے آپ نے اپنے مختصر دور حکومت میں نافذ کیا اور دوسرے سرے پر رسولؐ کی متفق علیہ حدیث ہے جو آپؐ نے آخری امام مہدی کے بارے میں فرمائی ہے کہ ''وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔''[۳۲]

اس طرح ہمارا یہ استدلال عملی بنیادوں پر قائم ہے صرف ذہنی قیاس آرائی نہیں ہے!

دوسرےؔ یہ کہ اہلسنت کے تمام خلفاء ابوبکر سے لے کر بنی عباس کے آخری خلیفہ المستعصم باللہ تک (جس کو ہلاکو خان نے ۶۵۶ھ میں ہلاک کردیا) قریش سے تھے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ سنی نظام نے مشرقی چین سے اسپین تک تمام مسلمانوں پر ساڑھے چھ سو برس تک ایک ہی خاندان کی حکومت مسلط کررکھی۔

تیسرؔے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، اہلسنت کا نظام خلافت کبھی جمہوریت کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا: پہلے خلیفہ کو مسلمانوں پر گنتی کے چند اصحاب نے مسلط کردیا۔ دوسرے خلیفہ کو پہلے خلیفہ نے نامزد کیا۔ تیسرے خلیفہ کو نام کے لئے پانچ لیکن حقیقت میں ایک آدمی نے منتخب کیا۔ معاویہ نے فوجی تشدد کے ذریعے خلافت حاصل کی۔ معاویہ کے پہلے تک اسے زیادہ سے اولیگارچی (oligarchy) یعنی چند بڑے لوگوں کے ذریعہ قائم ہونے والی سلطنت کہا جاسکتا ہے اور معاویہ کے بعد تو موروثی ملوکیت ہوگئی۔

یہ تو حال تھا اس دستورِ اساسی کی جمہوریت کا جس کو استعمال میں لایا گیا۔ اب ذرا ایک نظر اُن پہلی خلافتوں کی کارکردگی پر ڈال لیں کہ وہ مساوات کا (جو جمہوریت کا غیر منفک حصہ ہے) کیسا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

حضرت عمر نے یہ قانون نافذ کردیا کہ کوئی غیر عرب کسی عرب کا وارث نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ وارث عرب کے حدود میں پیدا نہ ہوا ہو۔[۳۳] علاوہ برایں اہلسنت کی شریعت بالکل ابتدائی دور سے ایک غیر عرب کو عرب عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتی، نہ ہی ایک غیر قرشی یا غیر ہاشمی مرد کسی ہاشمی یا قرشی عورت سے شادی کرنے کا مجاز ہے۔ شافعی فقہ کے مطابق ایک غلام آزادی

---

۳۲ صحیح ابو داود، ج ۲، ص ۲۰۷؛ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۷۷، ۴۳۰؛ ج ۳، ص ۲۸؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۶۵، ۵۵۷۔

۳۳ امام مالک، موطا، ج ۲ (مطبوعہ قاہرہ) ص ۶۰۔

کے بعد بھی آزاد عورت سے شادی نہیں کرسکتا۔[۳۴]

یہ احکامات وقوانین پیغمبرؐ کے اس مشہور اعلان کے باوجود نافذ کئے گئے کہ "نہ عرب کو غیر عرب پر فضیلت حاصل ہے نہ ہی غیر عرب کو عرب پر۔ نہ سفید فام سیاہ فام سے افضل ہے، نہ ہی سیاہ فام سفید فام سے، سوائے تقویٰ کی بنیاد پر۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔"[۳۵] نیز یہ احکام ان نظائر کے باوجود دئے گئے جو رسولؐ نے قائم کئے تھے جبکہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کا عقد اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ کیا اور عبدالرحمن بن عوف کی بہن (ایک قرشی عورت) کو آزاد کردہ غلام بلال کی زوجیت میں دیا۔[۳۶]

شیعہ شریعت صاف کہتی ہے کہ ایک آزاد عورت ایک غلام سے، ایک عرب عورت غیر عرب سے، ایک ہاشمی عورت غیر ہاشمی مرد سے شادی کرسکتی ہے اور بالعکس۔ اسی طرح ایک تعلیم یافتہ یادولت مند خاندان کی عورت ایسے مرد سے شادی کرسکتی ہے جو کم پڑھا لکھا ہو یاغریب ہو یا ایسی حرفت یاپیشے کو اختیار کئے ہو جو عام طور سے عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔[۳۷]

مال غنیمت کی تقسیم میں پیغمبرؐ نے مساوات کا اصول قائم کیا تھا جتنے لوگوں نے اس جنگ میں شرکت کی ہو ان سب کے درمیان وہ مال غنیمت بالسویہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ البتہ سواروں کو پیادہ کے مقابلے میں دوہرا حصہ دیا جاتا تھا۔ ابو بکر نے اسی نظام کو جاری رکھا۔ لیکن عمر نے ۱۵ھ میں رسولؐ کی وفات کے صرف چار سال بعد اس نظامِ رسولؐ کو بدل دیا۔ انہوں نے مختلف افراد، خاندان اور قبائل کے لئے سالانہ وظائف مقرر کئے: رسولؐ کے چچا جناب عباس کے لئے بارہ ہزار یا پندرہ ہزار دینار سالانہ مقرر کیا گیا، حضرت عائشہ کو بارہ ہزار دینار اور دوسری امہات المومنین میں سے ہر ایک کو دس ہزار دینار، جنگ بدر میں حصہ لینے والوں کو پانچ ہزار، وہ لوگ جو جنگ بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصے میں ایمان لائے ان میں سے ہر ایک کو چار ہزار سالانا اور جو صلح حدیبیہ کے بعد اور جنگ قادسیہ سے پہلے مسلمان ہوگئے ان میں ہر ایک کے لئے تین ہزار سالانہ مقرر کیا گیا۔ وظیفے کی رقم اسی طرح بتدریج کم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ دو دینار سالانہ تک پہنچ گئی۔[۳۸] اس نظام نے امتِ

---

۳۴ عبد الرحمن الجزیری، الفقۃ علی المذاھب الاربعۃ، ج ۴ (مطبوعہ بیروت، ۱۹۶۹ء) ص ۶۰۔

۳۵ السیوطی، الدر المنثور، ج ۲، ص ۹۸۔

۳۶ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۴ (مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۰ء) ص ۲۲۔

۳۷ محقق الحلی، شرایع الاسلام، ج ۵ (مطبوعہ نجف، ۱۹۶۹ء) ص ۳۰۰؛ السید محسن الحکیم، منھاج الصالحین، ج ۲ (کتاب النکاح)۔

۳۸ الطبری، تاریخ، ج ۵، ص ۲۴۱۱؛ Nicholson, *A Literary History of the Arabs*، ص ۲۴۷۔

اسلامیہ کو اس حد تک فاسد کر دیا کہ دولت ان کی زندگی کا واحد مقصد اور ان کے دین کا واحد فائدہ بن گئی۔ مادیت ان کا نقطۂ نگاہ بن گئی اور جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے وہ لوگ مساویانہ تقسیم کے اس نظام کو برداشت نہ کر سکے جس کو حضرت علیؑ نے خلافت ظاہری حاصل کرنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں پھر سے قائم کیا۔ گنجائش کی کمی کی وجہ سے اس تقریر کے صرف چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

"آگاہ ہوجاؤ! اصحاب رسولؐ میں سے مہاجرین وانصار کی کوئی فرد جو یہ سمجھتی ہو کہ وہ صحابیت کی بناء پر دوسروں سے افضل ہے، تو اسے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حقیقی فضیلت کل خدا کے سامنے ظاہر ہوگی اور اس کا اجر وثواب اللہ کے پاس ہے (یعنی اپنی صحابیت یا فضیلت کے اجر کی توقع اس دنیا میں نہیں رکھنا چاہئے)۔ ہر وہ شخص جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہی اور ہمارے دین کی صداقت کو مان لیا اور اس میں داخل ہوگیا اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا وہ اسلام کے تمام حقوق کا مستحق ہے اور اس کے تمام حدود کا پابند ہے۔ تم لوگ خدا کے بندے ہو اور یہ دولت خدا کی ملکیت ہے، یہ تمہارے درمیان برابر سے تقسیم کی جائے گی، اس میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ دی جائے گی۔"[۳۹]

وہ لوگ جو گذشتہ بیس سال سے غیر منصفانہ تقسیم کے عادی ہو چکے تھے، حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اسلامی اصول کو مصلحت وقت پر قربان کر دیں لیکن جب حضرت علیؑ اصول اسلامی کے معاملے میں کسی تساہل پر تیار نہ ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؑ کے خلاف سازشوں کا جال بجھادیا۔

بنی امیہ کے اقتدار میں آنے کے بعد مسلمانوں کے درمیان عدم مساوات کو اور زیادہ فروغ دیا گیا۔ اگر کوئی اسلام قبول کر بھی لیتا تھا جب بھی اسے ایک مسلمان کے حقوق نہیں دئے جاتے تھے بلکہ بعض معاملات میں ان نومسلموں کی حالت ان کے غیر مسلم ہم وطنوں سے بدتر ہوتی تھی کیونکہ غیر مسلم سے صرف جزیہ لیا جاتا تھا جبکہ ان نومسلموں کو جزیہ بھی دینا پڑتا تھا اور زکوۃ بھی۔[۴۰]

عمر بن عبدالعزیز کے ڈھائی سالہ دور خلافت کے علاوہ پورے اموی دور حکومت میں تمام غیر عرب سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان۔

یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ اس پالیسی نے اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا، صدیوں تک علاقوں کے

---

۳۹ ابن ابی الحدید المعتزلی، شرح نہج البلاغۃ، ج ۷، ص ۳۵-۳۷؛ نیز ملاحظہ ہو نہج البلاغۃ کا خطبہ نمبر ۱۲۶۔
۴۰ الطبری، تاریخ، ج ۳، ص ۱۳۵۴-۱۳۶۷۔

علاقے (جن کے شہر اور دارالسلطنت "اسلامی" کہے جاتے تھے) اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہے، یہاں تک کہ بربر (جو کہ عربوں کے ابتدائی حملوں کی مدافعت کرنے کے بعد اسلام کی طرف مائل ہوئے اور اسپین وفرانس کے خلاف جہاد میں شاندار فوجی خدمات انجام دیں) بحیثیت مجموعی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے جب تک کہ پہلی شیعہ حکومت مراکش میں قائم نہیں ہوئی۔ جب امام حسنؑ کے پرپوتے جناب ادریس نے (جنہوں نے ادریسی خاندان کی ۷۸۹ء سے ۹۸۵ء تک حکومت قائم کی) ملک بربر پر چڑھائی کی اس وقت وہاں کی اکثریت غیر مسلم تھی۔ یہ اُن بد سلوکیوں کا نتیجہ تھا جو اموی عہد میں ان لوگوں کے ساتھ کی گئی تھیں۔

جب یزید بن عبدالملک اموی تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے یزید بن ابومسلم دینار کو مراکش کا گورنر مقرر کیا اور اس گورنر نے ان لوگوں پر بھی پھر سے جزیہ عائد کیا جو مسلمان ہوچکے تھے اور ان کو مجبور کیا کہ وہ ان دیہاتوں میں جاکر رہیں جہاں وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے رہتے تھے۔[۴۱] جب جناب ادریس نے اس اموی سیاست کو بدلا اور تمام مسلمانوں کو پورے اسلامی حقوق دئے تو تمام بربر مسلمان ہوگئے۔

عربیت کو فوقیت دینے کا جذبہ پوری طرح ابتدائی عہد کے حکمرانوں کے ان فیصلوں میں رچا بسا نظر آتا ہے جن کی رو سے مفتوحہ ممالک کے کسی باشندے کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مسلمان نہیں مانا جاتا تھا۔ نہ اسے مسلمانوں کے حقوق دئے جاتے تھے جب تک کہ وہ اپنے کو کسی عرب قبیلے سے منسلک نہ کردے۔ پرانے دور کے غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ جو اکثر اس طرح کے ضمیمے ملتے ہیں کہ "مولا بنی فلاں" وہ اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں اس کے باجود ان مسلمان "موالیوں" کو ہر طرح کے استہزا اور غیر مساویانہ سلوک کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ارباب اقتدار ہر طرح ان کا استحصال کرتے تھے۔

ان بارہ اماموں کی ذوات مقدسہ میں حکومت کے حق کو محدود کرکے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے باہمی تنازعہ، اختلاف، بدامنی اور دھوکہ پر مبنی الکشن بازی کی جڑ کاٹ دی اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی اور نسلی عدم مساوات کا خاتمہ کردیا۔

(۳۰) خاندانی حکومت؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعوں کے عقیدے کو تسلیم کرنے کے بعد یہ ماننا پڑے گا کہ پیغمبرؐ

---

[۴۱] Hasan al-Amin, *Islamic Shi'ite Encyclopedia*, vol. 1, pp. 38-41.

اپنے اہل بیتؑ کے لئے ایک خاندانی بادشاہت قائم کرنا چاہتے تھے (جس میں آپؐ بالکل ناکام رہے)۔

مندرجہ بالا اعتراض کا اصل مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ چونکہ رسولؐ ایسے خود غرضانہ محرکات سے بالاتر تھے، لہٰذا شیعوں کا عقیدہ باطل ہے۔

یہی حضرات یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ: "الأئمة من قریش - امام قریش سے ہوں گے۔" تو کیا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث سے رسولؐ اپنے قبیلے کی بادشاہت قائم کرنا چاہتے تھے یا ان کا مقصد یہ ہے کہ رسولؐ نے خود غرضانہ محرکات کے ماتحت یہ جملہ زبان مبارک پر جاری فرمایا تھا؟ معاذاللہ!

یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ابوبکر نے انصار مدینہ کو یہ کہہ کر خاموش کیا تھا کہ "چونکہ رسولؐ قبیلہ قریش سے تھے لہٰذا عرب کسی غیر قرشی کو خلیفہ کے عنوان سے تسلیم نہیں کریں گے۔" اس استدلال سے انصار چپ ہوگئے۔ اسی دلیل کے مطابق اگر رسولؐ کے اہل بیتؑ کی کسی فرد کو (مثل حضرت علیؑ کو) خلیفہ بنادیا جاتا تو سب لوگ باطمینانِ تمام آپ کی اطاعت کرتے اور کسی قسم کا کوئی اختلاف اور کوئی دشواری پیدانہ ہوتی۔ حضرت علیؑ کے تقرر کے اس پہلو کو کچھ غیر مسلم مصنفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مسٹر سیڈی لاٹ (Sédillot) نے لکھا ہے "اگر خاندانی وراثت کے اصول کو علیؑ کے حق میں شروع ہی سے تسلیم کرلیا جاتا تو ان تباہ کن دعووں کا سدباب ہوجاتا جنھوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں غرق کردیا ... فاطمہؑ کا شوہر رسولؐ کا جائز جانشین ہونے کی حیثیت سے اپنی ذات میں وراثت کا حق بھی رکھتا تھا اور انتخاب کا بھی۔"[۴۲]

واقعہ یہ ہے کہ ایسے معترضین اصل مسئلہ کو سمجھ نہیں پائے ہیں کہ شیعوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میراث کا امامت سے کوئی تعلق ہے بلکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، امام کو معصوم ہونا چاہئے، تمام فضائل ومحاسن میں پوری امت سے افضل اور منصوص من اللہ یعنی خدا کی جانب سے معین ہونا چاہئے اور بس۔ البتہ حضرت ابراہیم اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہما وعلیٰ آلہما) پر خدا کا ایک خاص فضل یہ تھا کہ عملی طور پر ان حضرات کے بعد جتنے امامؑ آئے وہ انہیں کی نسل سے تھے یعنی وہ تمام حضرات جن کے اندر امامت کے ضروری شرائط کا اجتماع ہوا وہ انہیں کی اولاد سے تھے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

* * * * *

۴۲ Sédillot, L.P.E.A., *Histoire des Arabes* (Arabic translation), p.p. 126-127.

مأخذ کتاب

مأخذ کتاب

	نام کتاب	نام مصنف	مطبع
	تفسیر ومتعلقات		
۱۔	قرآن مجید		
۲۔	تفسیر الطبری (جامع البیان)	محمد بن جریر طبری	مصر، بولاق، سنہ ۱۳۲۶ھ
۳۔	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	فخر الدین رازی	قاہرہ، سنہ ۱۹۳۸ء سنہ ۱۳۵۷ھ
۴۔	الکشاف	جار اللہ الزمخشری	مطبوعہ بیروت
۵۔	معالم التنزیل	ابو محمد حسین البغوی	قاہرہ، سنہ ۱۹۵۵ھ
۶۔	لباب التاویل فی معانی التنزیل	علی بن محمد الخازن البغدادی	قاہرہ، سنہ ۱۹۵۵ھ
۷۔	الدر المنثور	جلال الدین سیوطی	مطبوعہ بیروت
۸۔	لباب النقول فی اسباب النزول	جلال الدین سیوطی	مطبوعہ بیروت
۹۔	تفسیر وحیدی	وحید الزمان	لاہور، گیلانی پریس
۱۰۔	اسباب النزول	ابو الحسن علی بن محمد الواحدی	
۱۱۔	انوار اللغۃ	وحید الزمان	بنگلور، سنہ ۱۳۳۴ھ
۱۲۔	تفسیر العیاشی	محمد بن مسعود العیاشی	مطبوعہ تہران
۱۳۔	تفسیر الصافی	محمد محسن فیض کاشانی	مطبوعہ تہران، سنہ ۱۳۷۴ھ
	کتب احادیث		
۱۴۔	الصحیح للبخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	مطبوعہ قاہرہ

نام کتاب	نام مصنف	مطبع
۱۵۔ الصحیح للمسلم	مسلم بن الحجاج نیشاپوری	مطبوعہ قاہرہ
۱۶۔ السنن ابی داؤد	ابو داؤد، سلیمان السجستانی	مطبوعہ قاہرہ
۱۷۔ السنن ابن ماجہ	ابن ماجہ	مطبوعہ دہلی
۱۸۔ الصحیح للترمذی	الترمذی	قاہرہ، سنہ ۱۲۹۲ھ
۱۹۔ الخصائص العلویۃ	احمد بن علی النسائی	مصر، سنہ ۱۳۴۸ھ
۲۰۔ الموطأ	مالک بن انس	قاہرہ، سنہ ۱۳۵۳ھ
۲۱۔ المستدرک علی الصحیحین	حاکم نیشاپوری شافعی	حیدرآباد، سنہ ۱۳۳۵ھ
۲۲۔ المسند	احمد بن حنبل	مطبوعہ قاہرہ، سنہ ۱۳۱۳ھ
۲۳۔ المسند	شیبانی	
۲۴۔ مشکل الآثار	احمد الطحاوی الحنفی	حیدرآباد، سنہ ۱۳۳۳ھ
۲۵۔ کنزالعمال	ملا علی متقی ہندی	حیدرآباد، سنہ ۱۹۶۸ء
۲۶۔ مشکاۃ المصابیح	الخطیب التبریزی	پاکستان، سنہ ۱۹۷۵ء
۲۷۔ جمع الجوامع	جلال الدین سیوطی	
۲۸۔ زین الفتیٰ	عاصمی	
۲۹۔ ینابیع المودۃ	سید سلیمان القندوزی	استانبول، سنہ ۱۳۰۱ھ
۳۰۔ ذخایر العقبیٰ	محب الدین الطبری	بیروت، سنہ ۱۹۷۴ء
۳۱۔ زادالمعاد	ابن القیم الدمشقی الشافعی	قاہرہ، سنہ ۱۹۵۰ء
۳۲۔ ارجح المطالب	عبیداللہ امرتسری	لاہور، سنہ ۱۳۱۸ھ

	نام کتاب	نام مصنف	مطبع
۳۳۔	منهج الوصول	نواب صدیق حسن خان	دہلی، شاہ جہانی پریس
۳۴۔	الاحتجاج	طبرسی	
۳۵۔	كفاية الاثر	ابوالقاسم علی الخزاز الرازی	طبع قم، ۱۹۸۱ء
۳۶۔	علل الشرايع	شیخ صدوق	نجف، ۱۹۶۶ء ۱۳۸۵ھ
۳۷۔	بحار الانوار	محمد باقر مجلسی	تہران، ۱۳۹۲ھ
۳۸۔	سفينة البحار	عباس قمی	نجف، ۱۳۵۵ھ

<u>**علم رجال و درایت**</u>

۳۹۔	الاستيعاب فی معرفة الاصحاب	ابن عبد البر	قاہرہ، ۱۹۶۰ء ۱۳۸۰ھ
۴۰۔	اسدالغابة	ابن اثیر الجزری الشافعی	قاہرہ، ۱۲۸۵ھ
۴۱۔	الطبقات	ابن سعد البغدادی	طبع بیروت

<u>**تاریخ و سیرت**</u>

۴۲۔	تاريخ الامم والرسل والملوك	محمد بن جریر طبری	لیدن و مصر، ۱۹۸۰ء
۴۳۔	السيرة النبوية	ابن ہشام	مطبوعہ مصر
۴۴۔	الكامل فی التاريخ	ابن الاثیر جزری شافعی	بیروت، ۱۳۸۵ھ
۴۵۔	البداية والنهاية	ابن کثیر الدمشقی الشافعی	بیروت، ۱۹۶۶ء
۴۶۔	المختصر فی اخبار البشر	ابوالفداء عمادالدین الایوبی	مطبوعہ بیروت
۴۷۔	التاريخ	ابن واضح الیعقوبی	بیروت، ۱۹۶۰ء
۴۸۔	الامامة والسياسة	ابن قتیبہ الدینوری	قاہرہ، ۱۳۸۷ھ

	نام کتاب	نام مصنف	مطبع
۴۹-	تاریخ الخمیس	محمد بن حسین دیار بکری	
۵۰-	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	قاہرہ، سنہ ۱۹۵۲ء
۵۱.	تذکرۃ خواص الامۃ	سبط ابن الجوزی	مطبوعہ تہران
۵۲.	حبیب السیر	تلخیص روضۃ الصفا، ملاحظہ ہو نمبر ۵۴۔	
۵۳-	السیرۃ الحلبیۃ	الحلبی الشافعی	مطبوعہ بیروت
۵۴-	روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاہ	لکھنؤ، نول کشور پریس
۵۵-	The Decline and Fall of the Roman Empire	E. Gibbon	NY: Modern Library
۵۶-	Mahomet and His Successors	Washington Irving	London, 1905
۵۷-	On Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History	Thomas Carlyle	Edinburgh
۵۸-	A Literary History of the Arabs	R. A. Nicholson	Cambridge, 1979
۵۹-	Islamic Shi'ite Encyclopaedia	Hasan al-Amin	Beirut
۶۰-	کتاب الارشاد	شیخ مفید	تہران، سنہ ۱۳۵۱ھ ش

علم کلام و مناظرہ و عقائد

۶۱-	شرح العقائد النسفیۃ	سعد بن مسعود بن عمر تفتازانی	استنبول، سنہ ۱۳۲۶ھ
۶۲-	شرح المقاصد الطالبین	سعد بن مسعود بن عمر تفتازانی	استنبول، سنہ ۱۳۰۵ھ
۶۳-	الاحکام السلطانیۃ	ابو الحسن الماوردی	قاہرہ، سنہ ۱۹۶۶ء
۶۴-	الصواعق المحرقۃ	ابن حجر الہیثمی المکی	

مطبع	نام مصنف	نام کتاب	
مطبوعہ بیروت، ۱۹۷۵ء	ابوحامد الغزالی	احیاء العلوم	۶۵۔
مشہد، انتشار آستان قدس	علامہ الحلی اور فاضل مقداد	الباب الحادی عشر وشرحہ	۶۶۔
بیروت، دار التعارف، ۱۹۷۸ء	محمد جواد مغنیہ	الفسلفۃ الاسلامیۃ	۶۷۔
لکھنؤ، ۱۹۳۴ء	نجم العلماء سید نجم الحسن	النبوۃ والخلافۃ	۶۸۔
مطبوعہ بیروت، ۱۹۶۷ء	عبدالحسین الأمینی	الغدیر	۶۹۔
London, 1869	John Davenport	An Apology for Mohammed and the Koran	۷۰۔
Mombasa, 1980	Sayyid Saeed Akhtar Rizvi	The Justice of God	۷۱۔
Dar-es-salaam, 1975	Sayyid Saeed Akhtar Rizvi	Prophethood	۷۲۔

فقہ

مطبع	نام مصنف	نام کتاب	
بیروت، ۱۹۶۹ء	عبدالرحمن الجزیری	الفقۃ علی المذاھب الاربعۃ	۷۳۔
نجف، ۱۹۶۹ء	محقق الحلی	شرایع الاسلام	۷۴۔
بیروت، دار الزہراء طبع دہم	سید محسن الحکیم	منہاج الصالحین	۷۵۔

ادب و متفرقات

مطبع	نام مصنف	نام کتاب	
طبع دوم، مصر (۲۰ جلدین)	ابن ابی الحدید معتزلی	شرح نہج البلاغۃ	۷۶۔
مطبوعہ بیروت، ۱۹۸۳ء	ابن عبدربہ الاندلسی	العقد الفرید	۷۷۔
لکھنؤ، نول کشور، ۱۸۶۷ء	غیاث الدین رامپوری	غیاث اللغات	۷۸۔

مصنف کی کچھ کتابیں

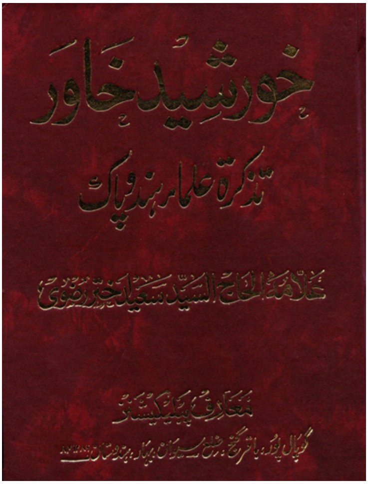

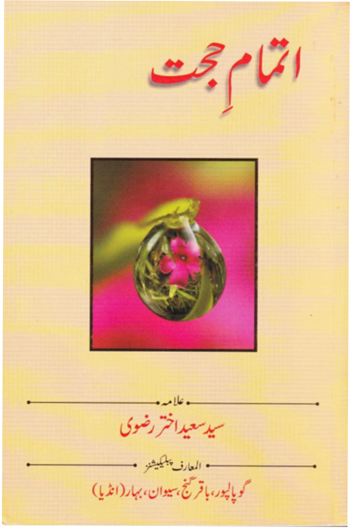

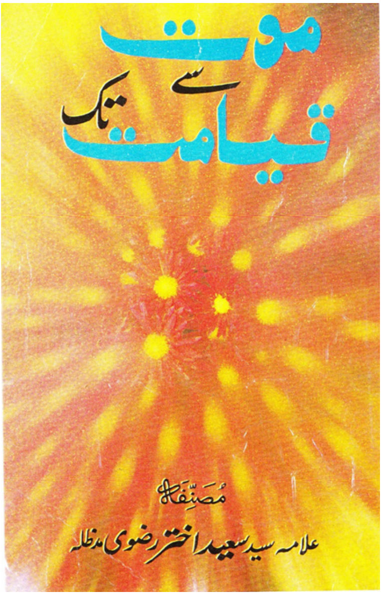

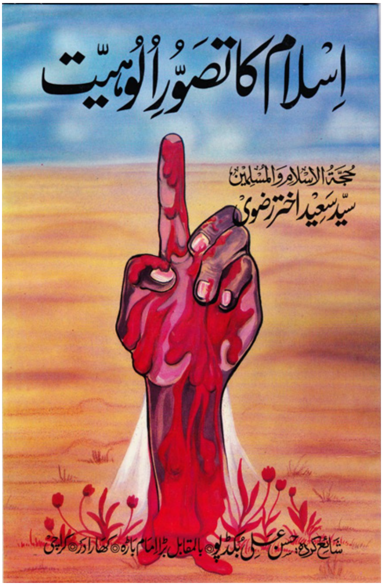

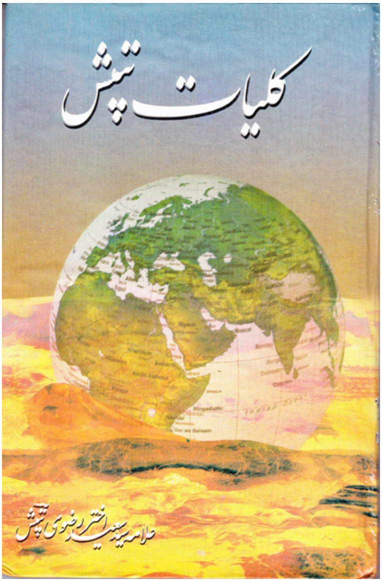
کلیات تپش
علامہ سید سعید اختر رضوی تپش

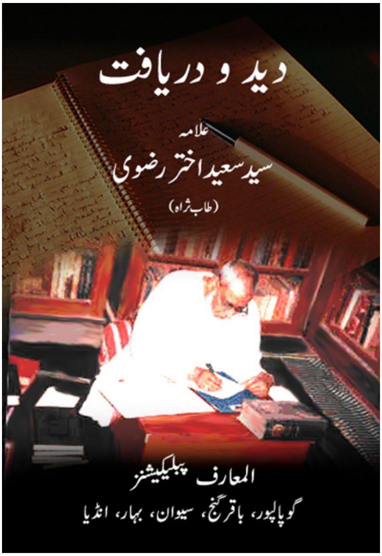
دید و دریافت
علامہ
سید سعید اختر رضوی
(طاب ثراہ)
المعارف پبلیکیشنز
گوپالپور، باقر گنج، سیوان، بہار، انڈیا

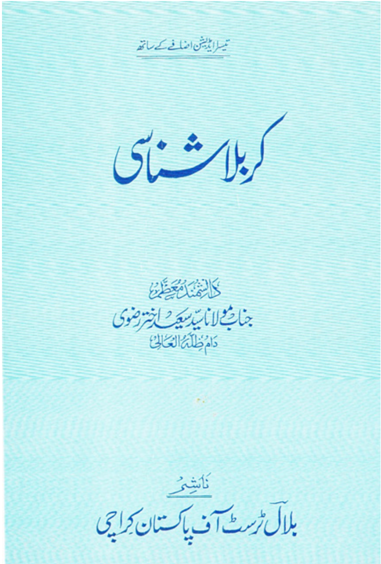
تیسرا ایڈیشن اضافے کے ساتھ
کربلا شناسی
دانشمند معظم
جناب مولانا سید سعید اختر رضوی
دام ظلہ العالی
ناشر
بلال ٹرسٹ آف پاکستان کراچی

ازواج امام حسین علیہ السلام
دانشمند محترم جناب سید سعید اختر رضوی دام ظلہ العالی
نور اسلام۔ امام باڑہ فیض آباد

اسلام کا نظامِ خانوادگی
علامہ سید سعید اختر گوپالپوری مدظلہ العالی

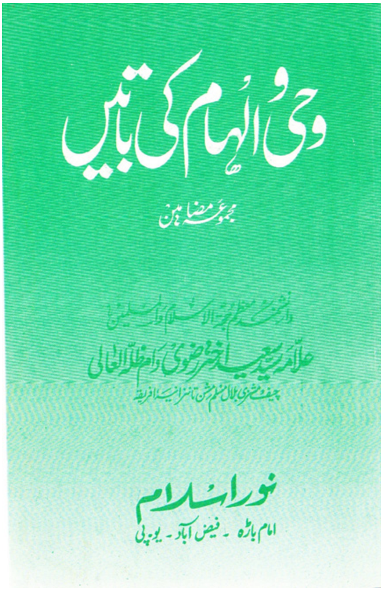
وحی و الہام کی باتیں
مجموعۂ مضامین
علامہ سید سعید اختر رضوی دام ظلہ العالی
نور اسلام
امام باڑہ - فیض آباد - یو پی

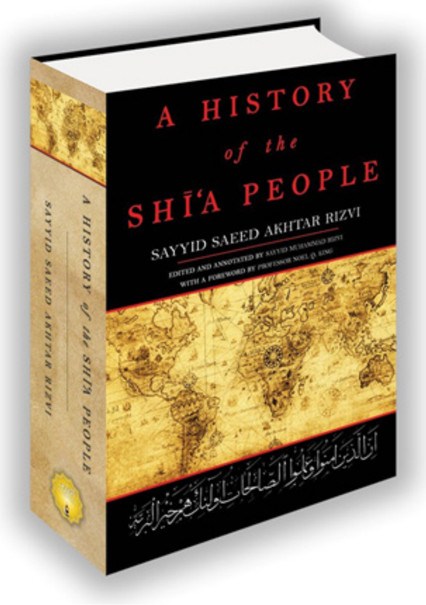
A HISTORY of the SHI'A PEOPLE
SAYYID SAEED AKHTAR RIZVI
EDITED AND ANNOTATED BY SAYYID MUHAMMAD RIZVI
WITH A FOREWORD BY PROFESSOR NOEL Q. KING

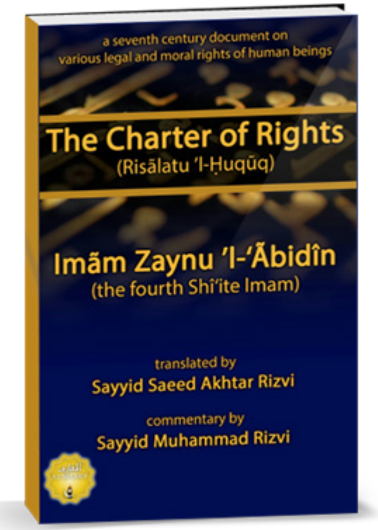
a seventh century document on
various legal and moral rights of human beings
The Charter of Rights
(Risālatu 'l-Ḥuqūq)
Imām Zaynu 'l-'Ābidîn
(the fourth Shi'ite Imam)
translated by
Sayyid Saeed Akhtar Rizvi
commentary by
Sayyid Muhammad Rizvi

ناشر:

المعارف فاونڈیشن

ٹورانٹو، کینیڈا

www.al-m.ca | publications@al-m.ca | (+1-416) 624-7861